یہ کتاب

اپنے بچوں کے لیے scan کی بیرونِ ملک مقیم ھیں

مو منین بھی اس سے استفادہ حاصل کرسکتے ھیں.

منجانب.

سبیلِ سکینہ

یونٹ نمبر ۸ لطیف آباد حیدر آباد پاکستان

انسان معاصر اور قرآن

علامہ طالب جوہری پاکستان

نام کتاب: انسان معاصر اور قرآن
مقرر: علّامہ طالب جوہری (پاکستان)
مرتبہ: مولانا سیّد علی عبّاس طباطبائی
سنہ اشاعت: فروری ۱۹۹۸ء مطابق شوال المکرم ۱۴۱۸ھ
تعداد: ایک ہزار (۱۰۰۰)
مطبوعہ: اے بی سی آفسٹ پریس۔ دہلی
ناشر: عبّاس بک ایجنسی۔ لکھنؤ
ہدیہ: ساٹھ روپے (-/۶۰)

ملنے کا پتہ
عبّاس بک ایجنسی۔ رستم نگر درگاہ حضرت عباس۔ لکھنؤ (انڈیا)
فون: 260756، 269598
فیکس: 260923

عرض ناشر

نامور، ممتاز، بلند پایہ اور عظیم المرتبت پاکستانی خطیب علّامہ طالب جوہری مدظلہ العالی کی ذاتِ گرامی عالم اسلام میں محتاجِ تعارف نہیں ہے۔

اس آفتابِ خطابت کا پُرکشش و منفرد دلچسپ لہجہ، شاعرانہ، ادیبانہ، عالمانہ اور فلسفیانہ طرزِ تکلم، قرآن، احادیث اور تاریخی حقائق کی روشنی میں استدلالانہ اور محققانہ طرزِ بیان، مستحکم اور ناقابلِ تردید فکری گوشے سامعین کے دلوں کو مسحور و مسخر کر کے انھیں حیرت و استعجاب کے دریا میں غرق کر دیتے ہیں اور عقیدت کی گہرائیوں سے "درود" و "تحسین" کی صدائیں بلند ہونے لگتی ہیں۔

یہ کتاب۔ عشرۂ محرم (۱۴۱۸ھ) کے دوران "انسان معاصر اور قرآن" کے عنوان سے، نشتر پارک کراچی (پاکستان) میں پڑھی گئی نو ایمان افروز، تحقیقی اور باطل شکن مجالس کا ایک گراں قدر اور نادر مجموعہ ہے، جو احتیاط و صحت کے ساتھ کیسٹوں سے نقل کی گئی ہیں۔

ہمیں مسرت ہے کہ ہمارا ادارہ اس بیش قیمت سرمایہ کو کتابی شکل میں شایع کرنے کا شرف حاصل کر رہا ہے اور ہماری دعا ہے کہ خداوندِ عالم علّامہ طالب جوہری کی توفیقات میں مزید اضافہ فرمائے جنھوں نے اس کتاب کی اشاعت کے لئے ہمیں اجازت مرحمت فرمائی۔

ہمیں پوری اُمید ہے کہ یہ کتاب مومنین کے لئے قلبی تسکین و تشفّی کا سامان فراہم کرے گی اور اکثر و بیشتر ذاکرین کے لئے بھی مشعلِ راہ ثابت ہوگی۔

احقر العباد
سیّد علی عبّاس طباطبائی
عبّاس بک ایجنسی۔ درگاہ حضرت عباسؑ۔ رستم نگر۔ لکھنؤ ۳

فہرستِ مجالس

(پہلی مجلس)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

"وَالْعَصْرِ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ، اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَ تَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ"

عزیزان محترم ــــ ۱۴۱۸ سنہ ہجری کے آغاز پر ایک بار پھر ہمیں مجتمع ہو کر افہام و تفہیم کا موقع مل رہا ہے۔ ہماری صدیوں پرانی روایت ہے کہ ہم نئے سال کا آغاز خوشی سے نہیں کرتے بلکہ غم سے کرتے ہیں۔ ہماری اس روایت پر ۱۴۱۷ھ ہجری کا ڈوبتا ہوا سورج بھی گواہ ہے اور ۱۴۱۸ سنہ ہجری کا طلوع کرتا ہوا چاند بھی گواہ ہے۔ ہم نے کبھی نئے سال کے آغاز کو دعاؤں سے شروع نہیں کیا، ہم اس دن دعائیں بھی مانگ سکتے تھے لیکن ہم کیا کریں کہ ہمارے علم میں ہے کہ اس مہینے میں رسولؐ کا نواسہ بھوکا پیاسا شہید کیا گیا ــــ تو اب ہمیں بتاؤ کہ ہم نئے سال کو دعاؤں سے شروع کریں یا رسولؐ کی تعزیت سے شروع کریں۔ یہ مرحلۂ فکر میرے سُننے والوں کے لئے بڑا نازک ہے کہ یہ غم، یہ گریہ، یہ عزاداری پہچان ہے، یہ ہمارا تشخص ہے، ہم اگر زندہ ہیں تو اس عزاداری کے سبب، اور ہم اگر باقی ہیں تو اس گریہ کے سبب۔ اور ہم ماضی میں اقتدار اور ملوکیت کی لٹکتی ہوئی تلواروں کے باوجود اپنے آپ کو بچا کر "حال" تک لے آئے ــــ ہمارا ماضی گواہ ہے کہ ہم نے اقتدار کی پرواہ نہیں کی، ملوکیت کی پرواہ نہیں کی، ہم نے ہمیشہ غمِ حسینؑ کو زندہ رکھا، اور کیوں زندہ نہ رکھیں؟ اس لئے کہ ایک بی بی سسکیاں لے لے کر دعائیں مانگ رہی ہے کہ پروردگار میرے بیٹے پر رونے والوں کو محفوظ رکھ۔

میرے دوستو، میرے عزیزو ــــ میں چاہوں گا کہ اس نئے سال پر تمھیں حسینیت کا ایک معجزہ دکھلاؤں، دیکھو، دُنیا دو حصّوں میں تقسیم ہے مغرب۔ اور مشرق ــــ اگر تاریخ تہذیبِ انسانی اٹھا کر دیکھو تو تمھیں اندازہ ہو گا کہ دُنیا کی قدیم ترین تہذیبیں مشرق ہی میں پیدا ہوئیں۔ انسان کی جو تہذیبی روایت ہے وہ روایت سب سے پہلے کہاں پیدا ہوئی؟ مشرق میں پیدا ہوئی: موہن جو دڑو، مشرق میں، ٹیکسلا،

مشرق میں گندھار، مشرق میں، ہندوستان کے آثار قدیمہ، مشرق میں، اہرام مصر، مشرق میں، بابل کی تہذیب، مشرق میں، نینوا کی تہذیب مشرق میں، دیکھو کتنی عجیب و غریب تہذیبیں گزریں۔ قوم عاد مشرق میں گزری، قوم ثمود مشرق میں گزری، قوم سبا یمن والی مشرق میں گزری، اب میں پوچھنا چاہتا ہوں اپنے سارے سننے والوں سے یہ جو تہذیبیں میں نے گنائی ہیں نہ، اہرام مصر مشرق میں ہے مصر کی تہذیب ہے نہ اچھا تو صدیوں تک وہ بستیاں بسی رہیں، صدیوں تک شہر بسے رہے، وہ قومیں صدیوں تک حکومتیں کرتی رہیں لیکن آج ہزاروں سال گزرنے کے بعد وہ صدیوں کے بسے ہوئے شہر کھنڈر بن گئے یا نہیں؟ سمجھنے کی کوشش کرو، آج پیغام دینا چاہ رہا ہوں، کہتے ہیں کہ ایک ہزار سال کی تہذیب تھی فرعونوں کی آج سوائے اہرام مصر کے کچھ باقی ہے؟ کھنڈر ہے جنھیں انسان تفریحاً دیکھنے جاتا ہے کہ ہزاروں سال کے بسے بسائے شہر ختم ہو گئے۔ دو ہزار سال کی پرانی تہذیبیں، یمن اور سبا کی تہذیبیں ختم ہو گئیں۔ تو یہ انسانی تہذیبیں ہیں کہ صدیوں کے بعد بھی نہ تاریخ میں ہیں نہ مشاہدے میں، اور ایک بستی ایسی تھی جو دو محرم کو بسی اور دس محرم کو وہ بستی لوٹ لی گئی۔ یہ حسینؑ کا معجزہ ہے کہ نہیں کہ آج تک وہ بستی زمین پر بھی زندہ ہے، مومنین کے دلوں میں بھی زندہ ہے ــــــ چاند ۱۴۱۸ سنہ ہجری کا کل شب میں طلوع کر گیا اور سورج ۱۴۱۷ سنہ ہجری کا کل شام کو ڈوب گیا، اور نئے سال کا آغاز ہو گیا۔ چاند تم نے بھی دیکھا ہو گا، چاند میں نے بھی دیکھا، ۱۴۱۸ سنہ ہجری کا چاند، پہلی رات کا چاند تم نے بھی دیکھا لیکن کبھی تم نے غور کیا، اب دیکھو میں مقتل سے نہیں پڑھ رہا ہوں، نفسیات کی بات ہے کہ حسینؑ کی پیدائش کے بعد اس چاند کو کبھی زہراؑ نے بھی دیکھا ہو گا، حسینؑ کی پیدائش کے بعد، اور کربلا کا واقعہ باپ سے سننے کے بعد کبھی اس چاند کو زہراؑ نے بھی دیکھا ہو گا اور یہ سوچا ہو گا کہ محرّم کا یہ چاند نکلے گا مگر میرا چاند گہن میں چلا جائے گا۔ میرے پاس الفاظ نہیں ہیں کہ میں شہزادی کی حسرتوں کو اپنے لفظوں میں بیان کر سکوں۔ زینبؑ کو پہچانتے ہو نہ، کربلا کے پہلے بھی زینبؑ نے یہ چاند دیکھا ہو گا، کربلا کے بعد بھی شہزادی نے چاند دیکھا ہو گا لیکن کیفیتیں بدل گئی ہوں گی۔ آج تک رسمِ دنیا ہے کہ چاند دیکھو تو دعا مانگو، مجھے نہیں معلوم کہ وہ بیمار بیٹی جسے مدینہ میں چھوڑ کے گئے تھے جب اس نے مدینہ میں محرم کا چاند دیکھا ہو گا تو کس قسم کی دعا مانگی ہو گی، شائد کہا ہو پروردگار، میرے مسافروں کی خیر ہو۔ یہ چاند رباب نے بھی دیکھا ہو گا۔

مجھے کچھ نہیں معلوم مگر اتنا معلوم ہے سیّد سجّاد جب محرم کا چاند دیکھتے تھے تو عمامے کو اُتار کر رکھ دیا کرتے تھے۔

بس میرے عزیزو۔ اَب اس سے زیادہ گفتگو نہیں کروں گا مجھے آگے جانا ہے۔ سیّد سجّاد محرم کا چاند دیکھ کر اپنے عمامے کو اُتار کر رکھ دیا کرتے تھے،

علی ابن موسی الرضاؑ، محرم کا چاند دیکھنے کے بعد ننگے پاؤں چلتے تھے راستوں میں۔ اور جب کسی نے سیّد سجّادؑ سے پوچھا کہ فرزند رسولؐ، محرم کے لئے اتنا احترام؟ تو رو کر کہنے لگے اگر کسی کا کوئی شخص گم ہو جائے تو وہ پوری زندگی تلاش کرتا ہے، ارے مجھ سے کیا پوچھتا ہے میری آنکھوں کے سامنے اٹھارہ جوانانِ بنی ہاشم شہید کئے گئے ــــــ دُنیا پوچھتی ہے کب تک رُوؤ گے، ہم سے سوال ہے کب تک رُوؤ گے؟ ہمیں رونے دو، تمھاری بقا ہمارے رونے میں ہے، اگر ہم چُپ ہو گئے تو تم رُوؤ گے ــــــ یہ رونا علامت ہے، تہذیب ہے، ثقافت ہے، رونا شعارِ زندگی ہے، رونا تہذیبِ غم ہے، رونا معیار انسانیت ہے، رونا فطرتِ انسانی ہے، یہ رونا حسینؑ پر نہیں ہے بلکہ حسینؑ کی مصیبتوں پہ ہے ــــــ میرے مولا نے کہا تھا "انا قتیل العبرۃ" مجھے رُلا رُلا کے قتل کیا گیا، میرا مولا عاشور کے دن کبھی عبّاس پر رویا، کبھی علی اکبر کی لاش پر رویا، کبھی عون و محمد کی لاشوں پر رویا، کبھی ششماہے کو دفن کرتے رویا، تو یہ رونا سیرت حسینؑ ہے، حسینیت کی یاد ہے اور یہ وہ حسینیت ہے کہ اگر کربلا برپا نہ ہوتی تو نہ انسان سمجھ میں آتا نہ قرآن سمجھ میں آتا۔ اگر حسینؑ ابن علی عاشور کے دن کربلا میں قربانیاں پیش کرتے تو نہ انسانیت سمجھ میں آتی نہ قرآن سمجھ میں آتا۔ قرآن کو بچایا حسینؑ نے۔ انسانیت کا تعارف کرایا حسینؑ نے۔ بس میں اپنے موضوع سے متصل ہو گیا، میرے سننے والوں کے ذہن میں موضوع ہو گا "انسان معاصر اور قرآن" اور میں نے اس موضوع کے لئے تیسویں پارے کے انتہائی مشہور و معروف سورت کی تلاوت کا شرف حاصل کیا۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

والعصر، زمانہ گواہ ہے، قسم ہے، قسم ہوتی ہے گواہی کے لئے۔ آپ کہتے ہیں نہ اللہ کی قسم یعنی اللہ گواہ ہے۔ تو قسم ہوتی ہے گواہی کے لئے، "والعصر" زمانہ گواہ ہے۔ "اِنَّ الۡاِنۡسَانَ لَفِیۡ خُسۡرٍ" کہ ہر ہر انسان گھاٹے میں ہے، پوری انسانیت خسارے میں ہے، "اِلَّا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ"

بس وہ لوگ خسارے سے بچے ہوئے ہیں جو ایمان لائے، جنھوں نے عمل صالح کیا، جنھوں نے حق کی تلقین کی، جنھوں نے صبر کی تلقین کی۔ تو اس چھوٹے سے سورے میں انسانوں کے دو گروہ بتائے گئے، ایک وہ کہ جو خسارے میں ہے، دوسرے وہ کہ جو خسارے سے بچے ہوئے ہیں۔ پھر سُنئے ۔ دو گروہ ہیں انسانوں کے ایک گروہ خسارے میں ہے، گھاٹے میں ہے، نقصان میں ہے، دوسرا گروہ نفع میں ہے، فائدے میں ہے اور خسارے سے بچا ہوا ہے۔

اللہ نے کیا کہا؟ ہر انسان خسارے میں ہے سوائے ان کے جو مومن ہیں، عمل صالح کرتے ہیں، حق کی تلقین کرتے ہیں، صبر کی تلقین کرتے ہیں۔ یہی تو کہا ہے نہ ۔ یعنی پوری انسانیت کو بنیادی طور پر اللہ نے کہا ہے کہ نقصان میں ہے اور کچھ لوگوں کو الگ کر لیا۔ یہی ہے نہ؟ اچھا۔ آپ نے قواعد دیکھے ہیں تو ساری دُنیا کے قواعد میں ایک اصول ہے، اور وہ اصول یہ ہے کہ جب ایک قانون سے کچھ لوگوں کو نکالا جاتا ہے تو جو قانون پر عمل کر رہی ہوتی ہے وہ اکثریت ہوتی ہے، جو نکالی جاتی ہے وہ اقلیت ہوتی ہے۔ میں مثال دوں گا۔ "سب آ گئے مگر فلاں نہیں آیا۔" تو سب اکثریت ہیں۔ مگر "فلاں" اقلیت ہے تو اکثریت میں سے اقلیت کو نکالا جاتا ہے، بات تو واضح ہو گئی نہ ۔ بھئی، سارے شہر میں بجلی تھی، مگر فلاں محلّے میں نہیں تھی۔ تو بیشتر محلوں میں تھی اور جس محلّے میں نہیں تھی اسے آپ نے الگ کر دیا۔ اصول کیا ہے؟ کہ اقلیت کو اکثریت میں سے نکالا جائے ــــ پروردگار نے یہی کام کیا ہے اس سورہ میں۔ زمانہ گواہ ہے کہ ساری اکثریت خسارے میں ہے سوائے مومنین کے ۔ تو جب قرآن کہہ رہا ہے کہ اکثریت خسارے میں ہے تو کب تک اکثریت پر ناز کرتے رہو گے ۔ مجھے نہیں معلوم کہ کیا سمجھ کے دُنیا اکثریت پہ ناز کرتی ہے، اللہ کہہ رہا ہے کہ ساری انسانیت خسارے میں ہے اور کس کو گواہ قرار دے رہا ہے؟ زمانے کو۔ نوح کا زمانہ قرآن میں دیکھ لو۔ "وَمَآ اٰمَنَ مَعَهٗۤ اِلَّا قَلِیْلٌ" نہیں ایمان لائے نوح پر مگر قلیل افراد۔ ابراہیم کا زمانہ دیکھ لو قرآن میں۔ ابراہیم نے کہا، ان بتوں نے انسانوں کی اکثریت کو گمراہ کر دیا ہے، تو نوح کے زمانے میں قلیل مومن، ابراہیم کے زمانے میں قلیل مومن کثیر گمراہ، اب موسیٰ کا زمانہ دیکھئے۔ موسیٰ تیس دن کہہ گئے تھے چالیس دن طور پر رہے، اور اس دوران میں "گوسالے" کی پوجا ہو گئی یا نہیں؟ اکثریت قوم موسیٰ کی گمراہ ہو گئی۔ وہ یہودی تھا جو

چالیس دن ہادی کی غیبت کو برداشت نہ کر سکا یہ مومن ہیں جو ڈیڑھ ہزار سال سے ایک ہادی کی غیبت پر ایمان رکھتے ہیں۔ میں اپنے ہادی کی غیبت پر ایمان رکھتا ہوں اور مجھے اپنے عقیدے پر شرمندگی نہیں ہے۔

اکثریت دَورِ نوحؑ میں گمراہ، اکثریت دورِ ابراہیم میں گمراہ، اکثریت دورِ موسیٰؑ میں گمراہ۔ دورِ عیسیٰؑ میں اکثریت گمراہ رہی، یہ ہے انسان کا ماضی، انسانوں کا کوئی دَور ایسا نہیں ہے کہ جب گمراہوں کی اکثریت نہ رہی ہو ــــ ایک چھوٹا سا دَور آیا تھا جب کچھ اچھے لوگ اکثریت میں تھے، آپ کے ذہن میں وہ دَور محفوظ ہو گا۔ آدمؑ، حوّاؑ، ہابیل، قابیل۔ یعنی ¼ ظلم تھا۔ ظلم چوتھائی تھا اور عدل تین حصّے تھا۔ اس کے علاوہ پوری تاریخ انسانیت میں کہیں عدل کو اکثریت نہیں ملی۔ کبھی ہدایت کو اکثریت نہیں ملی۔ ہمیشہ اکثریت ظلم کو ملی، ہمیشہ اکثریت گمراہی کو ملی ــــ یہ ہے انسان کا ماضی۔ "انسان معاصر اور قرآن" عنوان ذہن میں رہے۔ یہ ہے انسان کا ماضی کہ ہمیشہ انسان اکثریت میں گمراہ رہا اور اقلیت میں ہدایت یافتہ رہا۔ اور اب ایک آیت سنو اور جا کے دیکھنا قرآن مجید میں سورۂ نُور جو بیسواں سورہ قرآن مجید کا اور اس سورے کی انتہائی مشہور آیت پڑھنے جا رہا ہوں آیت کا نام ہے، آیتِ استخلاف، خلافت کی آیت۔ بڑی مشہور آیت ہے اور بڑا ناز ہے مسلمانوں کو جس آیت پر وہ آیت ہدیہ کرنے جا رہا ہوں۔

"وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَیَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِی الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۪ وَلَیُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِیْنَهُمُ الَّذِی ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَیُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا ؕ یَعْبُدُوْنَنِیْ لَا یُشْرِكُوْنَ بِیْ شَیْـًٔا ؕ"

" اللہ ان لوگوں سے وعدہ کرتا ہے جو ماضی میں ایمان لا چکے اور ماضی میں عمل صالح کر چکے تو اللہ ان ماضی والوں کو مستقبل میں خلیفہ بنائے گا" ــــ تو یہ کیسے ممکن ہے کہ ماضی کا انسان مستقبل میں خلیفہ بن جائے، عمریں تو طویل نہیں ہیں نہ ۔ عمریں بڑی چھوٹی چھوٹی ہیں اور اللہ کہہ رہا ہے کہ جو ماضی کا مومن ہے اسے مستقبل میں خلیفہ بناؤں گا۔ تو بس ایک ہی صورت ہے کہ اتنی طویل عمر دے دے۔ آیت پڑھ رہا ہوں، اپنے گھر سے کوئی حدیث لے کے نہیں آیا۔ آیت پڑھ رہا ہوں کہ اللہ کا وعدہ ہے کہ وہ ماضی کے مومن کو، ماضی کے عمل صالح کرنے والے کو مستقبل میں خلیفہ بنائے گا۔ تو کیا مدینہ کا خلیفہ بنائے گا؟

مدینے کا خلیفہ نہیں بنائے گا، پوری روئے زمین کا خلیفہ بنائے گا۔ جیسا کہ پچھلی قوموں میں داؤد جیسے نبیوں کو خلیفہ بنا چکا ہے۔ اور سنو۔ یہ اللہ کا وعدہ ہے جب ماضی کے انسان کو مستقبل میں خلیفہ بنائے گا تو اس کے دینِ مرتضیٰ کو نافذ کرے گا، اس کے پسندیدہ دین کو نافذ کرے گا۔ اور انسانوں کے خوف کو امن سے بدل دے گا۔ کیوں؟ اس لئے کہ اس کے خلیفہ کی حکومت ہوگی، تو اَب خوف نہیں ہوگا اب امن ہوگا ــــــ "یَعۡبُدُوۡنَنِیۡ لَا یُشۡرِکُوۡنَ بِیۡ شَیۡئًا" "اور لوگ میری عبادت کریں گے، شرک نہیں کریں گے"۔ تو وہ تھا انسان کا ماضی، ہر زمانے میں انسان گمراہ رہا اور ہر دَور میں انسان کی اکثریت گمراہ رہی۔ اور یہ ہے انسان کا مستقبل جب اقلیت گمراہ ہوگی، اکثریت ہدایت پر ہوگی تو قرآن کی بات کا کنٹراڈیکشن ہوگیا یا نہیں، یہی بتانا تھا سُننے والوں کو، سورۂ والعصر میں کہہ رہا ہے کہ زمانہ گواہ ہے کہ انسان کی اکثریت خسارے میں رہی اور سورۂ نور میں کہہ رہا ہے کہ ایک زمانہ ہوگا جب اقلیت خسارے میں ہوگی، اکثریت مومن ہوگی تو تصادم ہوگیا یا نہیں دونوں آئینوں میں، تو اَب میں جواب دے رہا ہوں اور اس جواب کو اپنے ذہنوں میں گھیرا باندھ کر رکھ لینا۔ پھر ایک مرتبہ سماعت کرو، یہ کنٹراڈیکشن، یہ تضاد، یہ تصادم جو ہوا ہے وہ کیا ہے۔؟ سورۂ والعصر میں کہا، ماضی کے ہر دَور میں، زمانہ گواہ ہے انسان خسارے میں رہا۔ اور سورۂ نور میں کیا ہے؟ مستقبل کے ایک دَور میں انسان اچھا ہوگا۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اسی لئے عصر کی قسم کھائی، عصر کے معنی زمانہ، اسی لئے عصر کی قسم کھائی کہ جب تک عصر اور زمانے کی ہَوا میں بہتے رہو گے اکثریت گمراہ رہے گی اور جس دن صاحب العصر والزمان کے دامن کے سائے میں آگئے ..... صلوٰۃ ......

اسی لئے اس کا ایک لقب ہے صاحب عصر و زمان، عصر کا مالک، زمانے کا مالک، تو اگر مالکِ عصر و صاحب الزمان کے سائے میں آگئے تو عصر کی ہلاکتوں سے بچ جاؤ گے۔

اب یہاں سے میں اپنے سُننے والوں کو آگے لے جاؤں گا۔ سُنئے۔ زمانہ گواہ ہے کہ انسان خسارے میں ہے، کون خسارے میں ہے؟ انسان، یہ نہیں کہا کہ، صنعت کار خسارے میں ہے، یہ نہیں کہا کہ زمیندار خسارے میں ہے، یہ نہیں کہا کہ جمہوریت خسارے میں ہے، حالانکہ آج کل ہے، یہ بھی نہیں کہا کہ صدرِ مملکت خسارے میں ہے، کہیں کا بھی ہو۔ وزیرِ اعظم خسارے میں ہے کہیں کا بھی ہو۔ بادشاہ خسارے میں ہے،

نہیں۔ اس سے کہ جب بچّہ دُنیا میں آتا ہے تو نہ صدرِ مملکت ہوتا ہے، نہ بادشاہ ہوتا ہے، نہ وزیرِ اعظم ہوتا ہے، نہ وزیر ہوتا ہے، پیشے لے کر نہیں آتا۔ آتا ہے تو کیا ہوتا ہے؟ انسان۔ کیا بلاغت ہے قرآن مجید کی۔ یہ نہیں کہا فلاں پیشے والا خسارے میں ہے، جب بچّہ آتا ہے کسی کے گھر میں تو وہ پیشہ لے کر نہیں آتا، پیشہ تو کسب سے آتا ہے۔ تو جب آیا تو انسان ہے جب گیا تو انسان ہے۔ سوال جواب ہوگا انسان کی حیثیت سے، ہوگا، صدر یا وزیرِ اعظم کی حیثیت سے نہیں ہوگا۔ ٹھیک ہے نہ۔ تو اَب فیصلہ نفع و نقصان کا انسان کے لئے ہوگا کسی پیشے والے کے لئے نہیں ہوگا۔ سمجھ گئے؟ اچھا، بچّہ آیا، پیشہ لے کے تو آیا نہیں، کوئی پیشہ لے کے نہیں آیا۔ پھر کیا لے کے آیا؟ لایا ہے دو چیزیں، ایک جسم، ایک روح۔ ایک زندہ رہنے والی چیز جسم اور ایک زندہ رکھنے والی چیز روح ـــــ بڑے آسان لفظوں میں اپنے سننے والوں کو یہ فکر ہدیہ کر رہا ہوں، اور لفظ بدل دوں۔ بھئی جسم روح کے سہارے پر زندہ ہے، یا روح جسم کے سہارے پر زندہ ہے۔ اور لفظیں بدل دوں۔ نظر آنے والی چیز زندہ ہے، غائب چیز کے سبب، یا غائب چیز زندہ ہے نظر آنے والی چیز کے سبب؟ تو جسم ہے حاضر، روح ہے غائب۔ تو اُصول یہ مِلا کہ جو حاضر ہو وہ غائب کی زندگی کا سبب نہیں بنتا۔ جو غائب ہے وہ حاضر کی زندگی کا سبب ہے ـــــ

تو آیا ہے انسان۔ جسم لایا ہے روح لایا ہے، یہ دو چیزیں ہوگئیں۔ اچھا۔ ایک چیز اور لایا ہے، مانئے یا مانئے۔ وہ ہے "رابطہ" پوچھئے گا، یہ رابطہ کیا ہوا؟ تعلّق۔ پھر پوچھئے گا یہ تعلّق کیا ہوا؟ رشتہ۔ رشتے ہی تو لایا ہے نہ۔ جس ماں کے پیٹ سے آیا ہے اس کا بیٹا ہے، جس باپ کے صلب سے آیا ہے اس کا بیٹا ہے اس کا بیٹا ہے، اگر پہلے سے اس کا کوئی بھائی ہے تو وہ اس کا بھائی ہے، اپنے چچا کا بھتیجا ہے اپنے ماموں کا بھانجہ ہے۔ ٹھیک۔ تو بچّہ تین چیزیں لے کے آیا۔ بچّے کے لفظ کو ہٹا دیجئے۔ انساں، انسان جب دنیا میں آیا تو تین چیزیں لایا۔ روح لایا، جسم لایا، رشتہ لایا۔ اگر کوئی چوتھی چیز لایا ہو تو آپ بتائیں۔ مَیں نے تو بڑی تحقیق کی، چوتھی چیز مجھے نہیں ملی۔ کمال ہے اس چھوٹے سے سورے کا، "وَالۡعَصۡرِ اِنَّ الۡاِنۡسَانَ لَفِیۡ خُسۡرٍ اِلَّا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَتَوَاصَوۡا بِالۡحَقِّ، وَتَوَاصَوۡا بِالصَّبۡرِ"۔ انسان روح لایا اس کے لئے کہا، "اَلَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا، ایمان لاؤ۔ انسان جسم لایا، اس، اس کے لئے کہا" وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ "عمل صالح کرو۔

اور انسان رشتے لایا تو بتلایا کہ باطل سے رشتے داریاں قائم نہ کرنا ہمیشہ حق سے رشتے داریاں قائم کرنا۔ تو اب رشتے داریوں کی بُنیاد خون نہ ہو۔ رشتے داریوں کی بُنیاد سببی یا نسبتی رشتہ نہ ہوں۔ رشتے داریوں کی بُنیاد حق ہو۔ خونی رشتے والا ہو۔ اگر کافر ہو تو "تبّت یدیٰ" ملے اور عجمی ہو اور مومن ہو جائے تو "من عجلٍ"۔ تو اب جسم ہے تقاضائے "وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ" روح ہے تقاضائے "اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْ" رشتہ ہے تقاضائے "تَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ" ـــــ تمھاری حیثیت تو یہ ہے کہ تم علم تک نہیں لے کے آتے۔ تمھیں بتلایا جاتا ہے کہ یہ ماں ہے تو سمجھتے ہو کہ ماں ہے، بتلایا جاتا ہے کہ یہ باپ ہے تو سمجھتے ہو کہ یہ باپ ہے۔ آئے ہو تو جاہل آئے، جاؤ گے تو جاہل جاؤ گے۔ عجیب نازک مرحلۂ فکر پر لے کے آگیا۔ اور موضوعِ گفتگو معین ہے۔ اب دلیل دے رہا ہوں۔ کہتے ہیں کہ اگر کوئی ہے بھی تو وہ اتنا بوڑھا ہو گیا کہ وہ خاک ہدایت کرے گا ـــــ "نعوذ باللہ" میں تو مسلمانوں کے قول کی نقل کر رہا ہوں کہ اگر کوئی صاحب پردۂ غیبت میں تشریف فرما ہیں تو اب جو آئیں گے تو گیارہ، ساڑھے گیارہ سو سال کی عمر، اتنی طویل عمر کا انسان کیا ہدایت کرے گا۔ بھوِیں لٹکی ہوئی، ہاتھوں میں رعشہ، پیروں میں رعشہ، یہ کہا گیا ہے۔ یہ میری سمجھ میں اب تک نہ آیا کہ گیارہ سو سال کے بوڑھے پر اعتراض ہے اور ڈھائی ہزار سال کے عیسیٰ پر کوئی اعتراض نہیں ہوتا۔ یہ عقیدے میں دوہرا معیار کہاں سے آیا؟ یہ کٹیگری اور ہے۔ بڑے نازک مرحلہ پر بات آگئی ہے اگر میں اس مرحلے پر بات کو مکمل کر سکا تو سمجھوں گا کہ آج کی محنت وصول ہے۔ دو آئتیں ایک ہی سورے کی، سورۂ نحل، قرآن مجید کا سولھواں سورہ، "انسان آیا، جاہل آیا" "انسان گیا جاہل گیا" "وَاللّٰهُ اَخْرَجَكُمْ مِنْ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ شَيْئًا" آرام سے سُنئے گا، اس لئے کہ مجھے پھر اپنے ایمان تک جانا ہے، کہا نہیں اتنا بوڑھا؟ بھئی قرآن میں ہے کہ جسے ہم طویل عمر دیتے ہیں اسے خلق میں سرنگوں کر دیتے ہیں۔ یعنی قرآن نے بڑھاپے کو عمر کا ذلیل ترین حصہ کہا ہے۔ تو اگر بڑھاپا بُرا ہو گا تو ہر آیت کا بڑھاپا بُرا ہو گا ـــــ ایسا تو نہیں کہ آج کا بڑھاپا بُرا ہو جائے اور کل کا بڑھاپا اچھا ہو۔ یہ تو ممکن نہیں ہے، اچھا تو اب قرآن نے آواز دی: "وَاللّٰهُ اَخْرَجَكُمْ مِنْ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ شَيْئًا"۔ "اللہ نے تمھیں تمھاری ماؤں کے پیٹ سے اس کیفیت میں باہر نکالا کہ تمھارے پاس ذرّہ برابر بھی علم نہیں تھا۔" کیا کہا

قرآن نے؟ دیکھو، میں کہوں چیلنج کر دو۔ قرآن کہے آسانی سے مان لو۔ اس لئے کہ قرآن کی ہر بات مانی جانی چاہیے، قرآن کا لفظ قابلِ تسلیم ہے، قرآن نے کہا کہ تم جب ماں کے پیٹ سے باہر آئے تو جاہل تھے، ذرہ ذرہ برابر علم نہیں تھا۔ یعنی آنے کے بعد جاہل، اب دوسری آیت سنئے۔

"وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ ثُمَّ يَتَوَفّٰكُمْ وَمِنْكُمْ مَنْ يُّرَدُّ اِلٰٓى اَرْذَلِ الْعُمُرِ لِكَيْ لَا يَعْلَمَ بَعْدَ عِلْمٍ شَيْئًا۔" بہت اطمینان سے اس آیت کا ترجمہ سُنئے گا۔ "وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ" اللہ نے تمھیں کیا ـــــ "ثُمَّ يَتَوَفّٰكُمْ" اور تمھیں موت دیتا ہے، "وَمِنْكُمْ مَنْ يُّرَدُّ اِلٰٓى اَرْذَلِ الْعُمُرِ" اور تم میں سے بہت سوں کو اللہ پلٹا دیتا ہے بڑھاپے کی طرف، تاکہ پڑھنے لکھنے کے بعد بڑھاپے میں پھر جاہل بن جاؤ اور قبر میں چلے جاؤ ـــــ تو ماں کے پیٹ سے جب باہر آئے جاہل تھے اور جب قبر میں جانے لگے پھر جاہل ـــــ تو دو جہالتوں کے درمیان زندگی گزر رہی ہے۔ ماں کے پیٹ سے آئے جاہل تھے، قبر میں گئے جاہل تھے اسی طرح دو نجاستوں کے درمیان تم زندگی گزار رہے ہو۔ ماں کے پیٹ سے نکلے نجس تھے، غسل ولادت ہوا، جانے لگے نجس تھے، غسل میت ہوا۔ تو وہ تم ہو جو دو نجاستوں کے درمیان زندگی گزارتے ہو۔ اور ایک وہ ہے کہ جو پیدا ہو تو کعبہ میں، مرے تو مسجد میں۔ ۔ ۔ ۔ "صلواۃ" اس خاندان پر قیاس کرو۔ ان کا جوان بوڑھا نہیں ہوتا، بوڑھے تو وہ ہوتے ہیں، جو دو جہالتوں کے درمیان آئیں، بوڑھے وہ ہوتے ہیں جو نجاستوں کے درمیان آئیں۔ جو عین علم ہو، جو عین طہارت ہو اس کے یہاں بڑھاپا نہیں ہے۔ اَب میں دلیل دے دوں قرآن سے تاکہ فیصلہ ہو جائے۔ آیت کو پھر سنئے۔ بڑا پڑھا لکھا مجمع ہے، اور پوری ذمہ داری سے میں ترجمہ کر رہا ہوں۔ "وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ"، اللہ نے تمھیں خلق کیا۔ "ثُمَّ يَتَوَفّٰكُمْ" اور اے انسانوں اللہ تمھیں موت دیتا ہے۔ وَمِنْكُمْ مَنْ يُّرَدُّ اِلٰٓى اَرْذَلِ الْعُمُرِ" اور تم میں سے بہت سوں کو پلٹا دیتا ہے بڑھاپے کی طرف۔ یہ جو ہزاروں ہزار کی تعداد میں پڑھا لکھا محترم مجمع یہاں موجود ہے ان سب سے پوچھتا ہوں؟ اللہ نے کیا کہا؟ اللہ انسان کو پلٹا دیتا ہے بڑھاپے کی طرف۔ یہی تو کہا نہ کہ پلٹا دیتا ہے۔ میرے سامنے شہر کے بڑے پڑھے لکھے سامعین ہیں، میں ان سے پوچھوں گا کہ اس مجلس میں آئے ہو یا پلٹ کے آئے ہو؟

آئے ہو نہ۔ گھر، پلٹ کے جاؤ گے۔ ٹھیک ہے؟ تو اللہ کو کہنا چاہیے کہ بڑھاپے کی طرف لے جاتا ہے۔ یہ کیسے کہہ دیا کہ پلٹا دیتا ہے؟ پلٹانے کا مطلب تو یہ ہے کہ پہلے وہی کیفیت تھی۔ پہلے وہی کیفیت تھی۔ پھر پلٹ کے ویسا ہو گیا۔ خدا کی قسم قرآن کا ایک لفظ بھی بے محل نہیں ہے، ایک ایک لفظ معجزہ ہے، کیا کمال کا لفظ رکھا ہے پلٹا دیتا۔ اللہ تمھیں بڑھاپے کی طرف پلٹا دیتا ہے۔ اب بتاؤں؟ پیدا ہوئے، آنکھیں تھیں، ٹک کے دیکھتی نہیں تھیں، ہاتھ تھے، چیز ہاتھوں میں تھمتی نہیں تھی، کان تھے، ٹھیک سے سنتے نہیں تھے، پاؤں تھے چلنے کے قابل نہ تھے، زبان تھی، بول نہیں سکتی تھی۔ کیوں؟ بچہ شیر خوار تھا۔ اب جب پلٹ کے بڑھاپا آیا، آنکھیں دیکھ نہیں پا رہی ہیں، دیکھا قرآن کا معجزہ؟ کیا کمال کا لفظ رکھا۔ اس طریقے سے قرآن کو سمجھو، خدا کی قسم قدر کرو قرآن کی۔ بچپنے میں آنکھیں ہیں دیکھتی نہیں ہیں، بڑھاپے میں آنکھیں ہیں دیکھتی نہیں ہیں۔ بچپنے میں ہاتھ ہیں چیز اُٹھانے کے قابل نہیں ہیں، بڑھاپے میں ہاتھ ہیں، رعشہ آگیا اب چیز اٹھانے کے قابل نہیں رہے، بچپنے میں پاؤں چلنے کے قابل نہیں، بڑھاپے میں چلنے کے قابل نہیں۔ زبان بچپنے میں بول نہیں سکتی، زبان انتہائی بڑھاپے میں بول نہیں سکتی۔ تو جیسا بچپنا ہو گا پلٹ کر ویسا ہی بڑھاپا آئے گا ـــ بات واضح ہو گئی نہ۔ اپنی طرف سے میں نے کچھ نہیں کہا، میں تو قرآن کی آیت کا ترجمہ کر رہا ہوں۔ جیسا بچپنا ہو گا ویسا بڑھاپا ہو گا۔ اگر بچپنا کمزور ہے تو بڑھاپا کمزور ہو گا اور بچپنے میں کوئی کلّۂ اژدر چیرتا ہے تو بڑھاپے میں خیبر توڑے گا۔۔۔۔۔۔"

اب سمجھ میں آیا؟ تو طویل العمر امام کو اپنے بوڑھوں پر قیاس کرتے ہو۔ "وَاللّٰہُ اَخْرَجَکُمْ مِنْ بُطُوْنِ اُمَّھٰتِکُمْ لَاتَعْلَمُوْنَ شَیْئًا" اللہ پوری انسانیت سے مخاطب ہے، تم جب ماں کے پیٹ سے باہر آئے تو جاہل تھے۔ بطن مادر کی بات نہیں ہو رہی ہے وہاں تو جاہل تھے ہی۔ باہر نکل کے بھی جاہل تھے۔ بعد میں علم سیکھا ہے۔ اب ایک چھوٹا سا واقعہ سنتے جائیے۔ زیادہ زحمت نہیں دوں گا، سیرت کی کتابوں میں دیکھئے۔ بنت اسد کو تو پہچانتے ہو؟ کون ہیں؟ رسولؐ کی سگی چچی۔ آپ چچی کہیں میں ماں کہوں گا۔ رشتہ تو چچی کا تھا۔ ابو طالب سگے چچا، بنتِ اسد سگی چچی۔ شجرے میں یہی لکھا ہوا ہے لیکن ذرا قرآن سے پوچھو۔ سناؤں؟ اچھا وقت میں اب گنجائش نہیں ہے پھر کبھی سہی۔ "وَقَضٰی رَبُّکَ" حبیب الفقط

میری عبادت کرو اور والدین کے ساتھ احسان کرو۔ اللہ نے کیا کہا محمدؐ رسول اللہ سے؟ "قُلْ لَّھُمَا قَوْلًا کَرِیْمًا" اچھی باتیں ان سے کرو۔ اور ماں باپ کے سامنے رحمت کے ساتھ جھکے رہو۔ کس کے سامنے جھکے رہو؟ ماں باپ کے سامنے۔ سورہ کب نازل ہوا؟ جب محمدؐ ہو گئے چالیس سال کے۔ اور رسولؐ کے ماں باپ کب انتقال کر گئے؟ بچپنے میں، یہ کون سے ماں باپ ہیں۔؟ تو انھیں کی طرف میں نے اشارہ کیا، تو اب بنت اسد ہیں جن کی گود میں پیغمبر پل رہے ہیں۔ جب کوئی ماں کسی بچے کو پالے گی تو اس کا احترام نہیں کرے گی۔ وہ تو بچہ ہے، بیٹا ہے اس کا کوئی احترام ہوا۔ لیکن تاریخیں لکھتی ہیں کہ جب علی کا نور بطن مطہر جناب بنتِ اسد میں منتقل ہوا۔ علیؑ بنتِ اسد میں تشریف فرما ہوئے۔ اب سُنئیے۔ جب پیغمبرؐ گھر میں داخل ہوتے تھے تو بے اختیار بنتِ اسد کھڑی ہو جاتی تھیں۔ عرب کی وہ عورتیں جو بنتِ اسد کو جاننے والی تھیں، انھوں نے کہا کہ بنتِ اسد تم بھتیجے کے لیے جسے بیٹے کی طرح پالا ہے، اُٹھ کے کھڑی ہو جاتی ہو یہ بات کیا ہے؟ کہا میں کیا کروں، میں تو نہیں چاہتی کہ میں اپنے بھتیجے کے لئے تعظیماً کھڑی ہو جاؤں۔ لیکن جو بچہ میرے شکم میں ہے وہ مجھے اٹھنے پر مجبور کرتا ہے۔ عورتیں سمجھیں کہ بنتِ اسد اپنے بھتیجے کی تعظیم کے لئے بہانہ تلاش کر رہی ہیں۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ پیٹ کا بچہ اٹھنے پر مجبور کر دے۔ تو آٹھ، نَو، دس عورتوں نے یہ طے کیا کہ جب محمدؐ آئیں اور بنتِ اسد اٹھنے لگیں تو ان کے شانوں کو دبا کے بیٹھ جائیں۔ تاکہ پتہ چل جائے کہ بچہ انھیں اٹھنے پر مجبور کرتا ہے یا خود اٹھ رہی ہیں۔ آئے رسولؐ اور جیسے ہی بنتِ اسد نے اٹھنا چاہا، ان عورتوں نے زور سے دبا کے بنت اسد کو روکا۔ تاریخ کہتی ہے کہ بنت اسد نے ایک جھٹکا دیا۔ کوئی داہنے گری، کوئی بائیں گری، کوئی سامنے گری اور کوئی پیچھے گری اور بنت اسد کھڑی ہو گئیں۔ تو یہ طاقت بنتِ اسد کی نہیں تھی، یہ بچے کی طاقت تھی تو جب علیؑ کے مقابلے پر عرب کی دس عورتیں نہ رک سکیں تو ایک آدھ کیا رُکے گی۔ میں کہنا یہ چاہ رہا ہوں کہ قطامہ عرب کی وہ عورت جس نے علی کو عبدالرحمٰن ابن ملجم کے ذریعہ شہید کروایا تھا ـــ قطامہ علیؑ کو شہید کروا سکتی ہے مقابلہ نہیں کر سکتی۔ بس میرے عزیزو، اب جملہ مکمل کر رہا ہوں۔ علیؑ بطن بنت اسد میں ہیں، پہچان رہے ہیں کہ رسولؐ آیا۔ تم ماں کے پیٹ سے باہر نکلنے کے بعد بھی جاہل ہو۔ علیؑ ماں کے پیٹ کے اندر بھی عالم الغیب ہے ـــ پورا پورا گھرانا عالم الغیب ہے حسنؑ کو

معلوم تھا، ہونے والا کیا ہے؟ خط آیا حاکمِ مدینہ کے پاس، یزید کا خط کہ حسینؑ سے بیعت لے لو، ــــ عبداللہ بنِ زبیر سے بیعت لے لو، عبداللہ ابنِ عمر سے بیعت لے لو اور اگر یہ بیعت نہ کریں تو جواب میں ان کا سر بھیج دو۔ قاصد آیا کہا فرزندِ رسول حاکم مدینہ نے آپ کو طلب کیا ہے۔ بڑا طویل واقعہ ہے مختصر کر رہا ہوں۔ آئے حاکم نے کھڑے ہو کر تعظیم کی حسینؑ بیٹھے۔ بنی ہاشمؑ دروازے کے باہر کھڑے ہوئے تھے۔ حاکمِ مدینہ سے پوچھا، کہ تو نے کیسے مجھے یاد کیا۔ اس نے اِنّا لِلّٰہِ وَاِنّا اِلَیہِ رَاجِعُون کا کلمہ زبان پر جاری کیا اور اس کے بعد کہا، فرزندِ رسول یہ خط پڑھ لیجئے۔ حسینؑ نے خط پڑھا، کہنے لگے کہ دیکھو تنہائی کی بیعت سے فائدہ کیا ہے؟ رات کی بیعت سے فائدہ کیا ہے، صبح ہونے دو۔ ہم پھر آئیں گے اور دیکھیں گے کہ ہم میں کون خلافت کا اہل ہے۔ یہ کہہ کے حسینؑ اٹھے، جانا چاہ رہے تھے، مروان نے حاکمِ مدینہ کو مشورہ دیا کہ اگر حسینؑ نکل گئے تو قابو میں نہیں آئیں گے۔ بس جیسے ہی حسینؑ کے کانوں تک آواز گئی۔ ایک مرتبہ بلند آواز سے سرزنش کی۔ آواز کا بلند ہونا تھا کہ وہ ہاشمی جوان جو دارالامارہ کے باہر کھڑے ہوئے تھے، انہوں نے تلواریں کھینچیں اور درّانہ دارالامارہ میں داخل ہوئے۔ سب سے پہلے جو نوجوان اندر گھسا اس کا نام ہے ابوالفضل العبّاسؑ۔ ایک مرتبہ حسینؑ نے عبّاسؑ کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔ کہا بھیّا، تلوار کو نیام میں رکھ لو۔ عبّاسؑ نے تلوار نیام میں رکھی۔ کندھے پر ہاتھ رکھے ہوئے دارالامارہ سے باہر آئے اور کہنے لگے بھیّا عبّاسؑ! اب مدینہ رہنے کے قابل نہیں رہا۔ بھیّا، اب سامان سفر کی تیاری کرو ــــ بس عزیزو صرف دو جملے۔ اُدھر عباس مشغول ہوئے سامان سفر کی تیّاری میں، اور ادھر حسینؑ نے مصلّی بچھایا۔ مغرب سے نصف شب تک اپنے مصلّے پر محوِ عبادت رہے۔ آدھی رات کو حسینؑ اپنے گھر سے نکلے اور نانا کی قبر مطہر پر آئے۔ دونوں ہاتھ رکھے اور کہا، "السّلامُ عَلیکَ یا جدّاہ" نانا آپ پر میرا سلام ہو اور پھر فرمایا۔ نانا مجھے اپنے پاس بُلا لیجئے۔ روتے روتے غنودگی میں چلے گئے۔ نانا کو خواب میں دیکھا، کہا کہ نانا جان، آپ کی امت نے بہت ستایا ہے، کہا حسین مت گھبرا، تیرے آنے کا وقت قریب آگیا۔ یہ سُننا تھا کہ آنکھ کھلی بے اختیار کہا اِنّا لِلّٰہِ وَاِنّا اِلَیہِ راجِعُونَ رِضاً بِقَضائِہٖ وَتَسلِیماً لِاَمرِہٖ" یہ کہہ کر قبرِ رسول سے خدا حافظ کہا،

اور اَب آئے بھائیؑ کی قبر پر، بھائیؑ کی قبر سے رخصت ہوئے۔ راوی کہتا ہے کہ جب نانا کی قبر کی طرف جا رہے تھے تو ایسے جما جما کے قدم رکھ رہے تھے جیسے کوئی کوہ وقار جا رہا ہو جب بھائیؑ کی قبر کی طرف جا رہے تھے تو ایسے جمے ہوئے قدم تھے کہ جیسے کوئی بادشاہ جا رہا ہو۔ اَب آخری جملہ سُنئے۔ نانا کی قبر سے رخصت ہوئے، بھائیؑ کی قبر سے رخصت ہوئے اور اَب چلے ماں کی قبرِ مطہرّ کی طرف، راوی کہتا ہے کہ اس طرح دوڑ رہے تھے کہ جیسے بچّہ ماں کی گود کی طرف دوڑتا ہے۔ ماں کی قبر پر پہنچے، "اَلسّلامُ علیکِ یا اُمّاہ" امّاں آپ پر میرا اسلام ہو، قبر سے آواز آئی وَعَلَیکَ السّلامُ اے ماں کے غریب تجھ پر.....،"

ــــ تمام شُد ــــ

(دوسری مجلس)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

"وَالۡعَصۡرِ، اِنَّ الۡاِنۡسَانَ لَفِیۡ خُسۡرٍ، اِلَّا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَتَوَاصَوۡا بِالۡحَقِّ وَتَوَاصَوۡا بِالصَّبۡرِ"

عزیزانِ محترم۔ پروردگار نے سورہ والعصر میں یہ ارشاد فرمایا کہ "وَالۡعَصۡرِ، اِنَّ الۡاِنۡسَانَ لَفِیۡ خُسۡرٍ" قسم ہے زمانہ کی، یہ زمانہ گواہ ہے کہ ایک ایک انسان خسارے میں ہے۔ اِلَّا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ" فقط وہ لوگ خسارے سے بچ جائیں گے جو ایمان لائے اور جنھوں نے عمل صالح کیا۔ وَتَوَاصَوۡا بِالۡحَقِّ وَتَوَاصَوۡا بِالصَّبۡرِ" اور فقط وہ ایمان اور عمل صالح پر گامزن نہیں رہے انھوں نے حق کا اعلان کیا اور صبر پر قائم ہوئے۔

پروردگار نے انسانیت کے خسارے پر جو گواہی قرار دی، وہ گواہی زمانے کی ہے۔ "والعصر" زمانہ گواہ ہے کہ ساری انسانیت خسارے میں ہے۔ اور یقین کیجئے گا کہ زمانے سے بہتر گواہی انسانیت کے خسارے کی ممکن نہیں ہے۔ انسان خسارے میں ہے، گواہ زمانہ ہے تو زمانے سے بہتر گواہ نہیں ہوگا، اس لئے کہ وہ زمانہ جو تمھارے سروں سے غیر محفوظ طریقوں سے گزر رہا ہے، جب وہ زمانہ گزر جائے اور تمھاری کشتیٔ زندگی، کشتیٔ عمر فنا کے ساحل کے قریب آجائے تو پھر دیکھو کہ گزرا ہوا زمانہ فائدے کا زمانہ تھا یا خسارے کا زمانہ تھا۔ تو اس چھوٹے سے سورے نے فائدے والوں کو بھی بتلا دیا، خسارے والوں کو بھی بتلا دیا۔ ایک مرتبہ پھر توجہ کیجئے گا اس مختصر سے سورے میں پروردگار نے ان کا بھی تعارف کرایا جو فائدے میں ہیں۔ اور درمیان میں "اِلَّا" رکھا۔ "اِلَّا" سے پہلے خسارے والے، "اِلَّا" کے بعد فائدے والے۔ کلمہ کی شان ذہن میں آئی۔ "لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ" "اِلَّا" سے پہلے خسارہ ہی خسارہ ہے۔ "اِلَّا" کے بعد فائدہ ہی

فائدہ ہے۔ تو قرآن کا "اِلَّا" سمجھ میں آیا؟ قرآن میں "اِلَّا" کے بعد فائدہ، "اِلَّا" کے پہلے خسارہ۔ اب آیت پڑھوں۔ "قُلۡ لَّاۤ اَسۡـَٔلُکُمۡ عَلَیۡہِ اَجۡرًا اِلَّا الۡمَوَدَّۃَ فِی الۡقُرۡبٰی"۔ اب اگر خسارے سے بچنا ہے تو "اِلَّا" کے بعد پر عمل کرنا۔ وَالۡعَصۡرِ، اِنَّ الۡاِنۡسَانَ لَفِیۡ خُسۡرٍ، اِلَّا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ" گواہ ہے زمانہ کہ لوگ خسارے میں ہیں اور وہ لوگ فائدے میں ہیں جو ایمان لائے، جنھوں نے عمل صالح کیا، جنھوں نے حق کا اعلان کیا اور صبر پر اپنے آپ کو گامزن رکھا۔ گواہ زمانہ ہے، ذہن میں رکھئے گا۔ اس لئے کہ اس مرحلے پر اپنے محترم سننے والوں کو کسی خاص موضوع کی طرف متوجہ کرنا مقصود ہے۔ پروردگار نے جب اپنے وجود پر دلیل قائم کی اور انسان کے فانی ہونے پر دلیل قائم کی تو وہاں بھی زمانے کا ذکر کیا "ھَلۡ اَتٰی عَلَی الۡاِنۡسَانِ حِیۡنٌ مِّنَ الدَّہۡرِ لَمۡ یَکُنۡ شَیۡئًا مَّذۡکُوۡرًا"۔ انسان پر ایک ایسا زمانہ گزرا ہے جب کہ انسان قابلِ ذکر نہیں تھا۔ ہم نے انسان کو خلق کیا مادۂ حیات سے آبِ مخلوط سے۔ امتحان لینے کے لئے خلق کیا۔ "وَجَعَلۡنٰہُ سَمِیۡعًۢا بَصِیۡرًا"۔ تو ہم نے انسان کو سماعت بھی دی۔ ہم نے انسان کو بصارت بھی دی، سننے کی بھی طاقت عطا کی، دیکھنے کی بھی طاقت عطا کی — دنیا میں کتنے منکرین خدا ہیں۔ کتنے دہریے ہیں جو خدا کا انکار کر رہے ہیں۔ ہیں نہ۔ منکرین خدا ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ اس کائنات کا کوئی خالق نہیں ہے۔ اچھا اب میں پوچھتا ہوں کہ چھوڑو کائنات کا خالق ہو یا نہ ہو۔ تم اپنے لئے بتاؤ کہ تم ہمیشہ سے ہو یا پیدا ہوئے؟ تو بڑے سے بڑا منکر خدا یہ نہیں کہہ سکتا کہ میں ہمیشہ سے ہوں، یہی کہے گا کہ میں پیدا ہوا۔ تو اب دوسرا سوال ہوگا کہ پیدا کرنے والا کون ہے؟ تم نہیں تھے پیدا ہوئے، تم قابلِ ذکر نہیں تھے ہم نے تمھیں قابلِ ذکر بنایا۔ کیا کہا پروردگار نے کہ انسان پر ایک ایسا زمانہ گزرا ہے جب وہ قابلِ ذکر نہیں تھا۔ تھا مگر قابلِ ذکر نہیں تھا۔ یہ کیا کہہ دیا اللہ نے کہ تھا بھی اور قابلِ ذکر نہیں تھا۔ میں اپنے نوجوان دوستوں کو سمجھا رہا ہوں۔ آپ کے گھر میں مہمان آیا، آپ نے چاہا کہ چائے سے اس کی تواضع کریں، چائے بنی ہوئی نہیں تھی، آپ نے پانی گرم کیا اس میں پتّی ڈالی، پیالی میں اس عرق کو انڈیلا، دودھ ملایا، شکر ملائی، چائے بنا کر دے دی۔ چائے تازہ ہے یا نہیں ہے؟ بڑا نازک مرحلۂ فکر ہے اور اس مرحلۂ فکر سے اپنے سننے والوں کو لے کر جاؤں گا۔ چائے کہو گے نہیں تھی۔ پانی تھا، پتّی تھی۔ شکر الگ موجود تھی دودھ الگ موجود تھا جب

مِلایا گیا تو قابلِ ذکر بنی۔ تو یہ انسان پانی میں تھا، مٹی میں تھا، ہوا میں تھا، آگ میں تھا، جب مِلایا گیا تو قابلِ ذکر بنا۔ ہمیں اپنے سُننے والوں کو بیدار بھی رکھنا ہے اور موضوع کے تقاضے کو پورا کرنا ہے۔ اچھا۔ تو تم قابلِ ذکر نہیں تھے؟ کس نے بنایا قابلِ ذکر؟ دوسری آیت نے جواب دیا "اِنَّا خَلَقنَا الانسانَ مِن نُّطفَةٍ اَمشَاجٍ" ہم نے انسان کو آبِ مخلوط سے خلق کیا۔ ہم نے انسان کو مادّۂ حیات سے خلق کیا۔ اور سنو، یہ بات یاد رکھو، اپنے اللہ کو پہچانو۔ اگر اپنے اللہ کو پہچان لیا تو تمھاری زندگی کا مشن کامیاب ہو جائے گا، مکمّل ہو جائے گا۔ میں اگر کہوں تو میرے گریبان میں ہاتھ ڈال دو۔ لیکن سائنس کے بڑے بڑے علماء اگر کہیں تو سُننے کے قابل ہے بات۔ بڑی عجیب بات ہے کہ مادّۂ حیات میں، مادّۂ حیات، انسان کا آبِ نجس، اس میں تیس کروڑ سے لے کر پچاس کروڑ تک زندہ جراثیم ہوتے ہیں، یہ ہے مادۂ حیات، یہ ہے آبِ مخلوط، جس کا قرآن نے نطفۂ امشاج کے نام سے ذِکر کیا۔ "اِنَّا خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ اَمْشَاجٍ" ہم نے انسان کو مادۂ حیات سے خلق کیا۔ اس مادۂ حیات میں کم سے کم تیس کروڑ زیادہ سے پچاس کروڑ زندہ جراثیم ہیں۔ وہ جراثیم ٹکرائے، انھوں نے ایک دوسرے کو کھایا اس کے بعد ایک بچا یا دو بچے اور وہ دُنیا میں آ گئے۔ تو تم نے اپنے خالق کو پہچانا؟ پچاس کروڑ انسان لمحوں میں بنتا ہے اور لمحوں میں مِٹتا ہے۔ لمحوں میں پوری انسانی بستی بسائی، لمحوں میں اُجاڑ دیا تو لمحوں میں بسائے لمحوں میں اُجاڑے اس کی قیامت میں شک کرتے ہو۔"

ایسی عجیب الخلقت مخلوق بنائی اور پھر ناز کیا "فَتَبَارَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخَالِقِيْنَ" بابرکت ہے وہ اللہ جو بہترین خلق کرنے والا ہے۔ اَب میں سُناؤں اپنے مولا کے جملے کو ــــ علیؑ نے نہج البلاغہ میں کہا، کتنا عجیب ہے یہ انسان، گوشت کے ٹکڑے سے بول رہا ہے، چربی کے ڈھیلے سے دیکھ رہا ہے، اور ہڈی سے سُن رہا ہے۔" میرے مولا نے اپنے اللہ پر گفتگو کی اور کہا اس خالق کو پہچانو جس نے انسان کو پیدا کیا۔ ایسے انسان کو جو گوشت کے ٹکڑے سے بولتا ہے، چربی کے ڈھیلے سے دیکھتا ہے اور ہڈّی سے سُنتا ہے۔" سُن لیا؟ ایک گوشت کے ٹکڑے نے حروفِ تہجّی پیدا کئے۔ اتنا سا گوشت کا ٹکڑا ہے، زبانیں کتنی ہیں دُنیا میں؟ کتنی زبانیں ہیں؟ یہی چھوٹا سا ٹکڑا، عربی بول رہا ہے، اُردو بھی بول رہا ہے، انگریزی بھی بول رہا ہے، فرانسیسی بھی بول رہا ہے۔ چھوٹا سا گوشت کا ٹکڑا ہے۔

توجہ ــــ اچھّا، جب چھوٹا سا گوشت کا ٹکڑا بول رہا ہے منہ میں تو جاؤ قصاب کی دوکان سے یہ چھوٹا سا گوشت کا ٹکڑا خرید لاؤ۔ جب جانوں کے یہ بولے۔ جاؤ چربی خرید لاؤ، جب جانوں کہ وہ دیکھے۔ جاؤ ہڈّی اٹھا کے لاؤ، جب جانوں کہ ہڈّی سُننے لگے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ صرف چربی نہیں ہے، صرف ہڈی نہیں ہے، صرف گوشت نہیں ہے، کوئی ایسی شئے ہے اس کے اندر جو ہڈّی سے سُنواتی ہے، گوشت سے بلواتی ہے، چربی سے مشاہدہ کراتی ہے۔ تو وہ شئے کیا ہے؟ قرآن نے آواز دی "اِنِّیْ خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنْ طِيْنٍ فَاِذَا سَوَّيْتُهٗ وَنَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِيْ فَقَعُوْا لَهٗ سَاجِدِيْنَ۔" فرشتو، سنو، میں مٹّی سے بشر بنانے والا ہوں اور جب میں اسے بنالوں اور اس میں روح پھونک دوں تب سجدہ کرنا۔ سجدہ جسم کو نہیں کروایا، سجدہ روح کو کروایا ہے۔ مٹّی کو نہیں ہے۔ اب رو کوں بات کو اور روک کر ایک جملہ ہدیہ کروں؟ سجدہ مٹّی کو نہیں کروایا، سجدہ روح کو کروایا ہے۔ پروردگار تو نے قرآن میں کہا، خانہ کعبہ پہلا گھر ہے ہدایت کے لئے۔ تو پروردگار پہلے دن سے سجدہ کروا دے۔ "اِنَّ اَوَّلَ بَيْتٍ" کائنات کا پہلا گھر ہم نے کعبہ بنایا، ہدایت کے لئے بنایا، سجدے کے لئے بنایا تو میرے مالک جب پہلے دن سے کعبہ ہے تو پہلے دن سے کیوں نہیں کہا کہ سجدہ کرو۔ جواب ملے گا کہ تو نہیں جانتا، تو نہیں جانتا، اگر پہلے دن سے سجدہ کروا دوں تو مٹی کے مکان کا سجدہ ہوگا ذرا کعبہ میں روح کو آ جانے دو تب سجدہ کرواؤں گا۔

تو یہ ہڈی، یہ چربی، یہ گوشت، یہ مٹّی کا پیکر، یہ جسم قیمتی بنا ہے روح سے۔ بس یہی عرض کرنا تھا اپنے سُننے والوں کی خدمت میں۔ اب پچھلی تقریر سے میں متصّل ہو گیا ــــ یہ جسم فقط اس لئے قیمتی ہو گیا کہ اس کے اندر روح آ گئی۔ اچھّا تو جب روح اتنی قیمتی ہے تو پروردگار انسان کو صرف روح ہی بنا کر چھوڑ دیتا۔ کہا، اگر انسان روح پر مشتمل ہوتا تو ہوا میں اُڑ جاتا۔ اچھا تو صرف جسم ہی رہنے دے، کہا، مٹّی میں دھنس جائے گا۔ اگر صرف مٹّی رکھے، زمین میں دھنس جائے گا۔ اگر صرف روح رکھے، آسمانوں میں اُڑ جائے گا۔ ایک ایسا توازن قائم کیا روح اور مٹّی کا کہ زمین سے بلند رہے اور زمین پر رہے۔ اس کا نام ہے "احسن تقویم"۔ سورۂ والعصر میں کہا، خسارے سے بچنا ہے تو ایمان لاؤ، عمل صالح کرو۔ سورۂ والتین میں کہا، "وَالتِّيْنِ وَالزَّيْتُوْنِ وَطُوْرِ سِيْنِيْنَ وَهٰذَا الْبَلَدِ الْاَمِيْنِ، لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِيْٓ اَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ، ثُمَّ

رَدَدْنٰهُ اَسْفَلَ سٰفِلِیْنَ، اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحَاتِ۔۔۔۔" اگر پستیوں سے بچنا ہے ایمان لاؤ عمل صالح کرو۔

اب جسم کا تقاضہ ہے اسے غذا چاہیے، جسم کا تقاضہ ہے اُسے لباس چاہیے، جسم کا تقاضہ ہے رہائش کے لئے اسے مکان چاہیے۔ یہ جسم کے تقاضے ہیں تو دیکھو تمھارے پاس فقط جسم تو نہیں ہے نہ۔ جسم کے اندر روح بھی ہے اور جسم بھی ہے۔ تو جسم کے تقاضے کو تو پورا کر لیا' غذا بھی حاصل کی، لباس بھی حاصل کیا، مکان بھی حاصل کیا۔ جسم کے لئے ساری آسائشیں حاصل کیں۔ اور اب روح کا تقاضہ؟ ایمان، عمل صالح، حق، صبر ــــ توجّہ رہے۔ جسم کا تقاضہ، غذا لباس مکان۔ روح کا تقاضہ ہدایت، علم، تقویٰ، معرفت خدا۔

میرے مولا علیؑ کی ذاتِ گرامی، ایمان، عمل صالح، ہدایت، علم، ہدایت، علم، تقوی اور معرفت خدا کا مجموعہ تھی۔ چنانچہ خود آپ کا ارشاد ہے کہ " اَنَا کَسَرْتُ الْاَصْنَام" دوشِ محمدؐ پر کھڑے ہو کر بُت مَیں نے توڑے تھے، کسی اور نے نہیں۔ علیؑ دوش محمدؐ پر قدم جمائے کھڑے ہیں۔ رُکے رہنا میں تمھیں لے چل رہا ہوں واقعہ معراج کی طرف، معراج کے واقعہ کا کوئی رپورٹر نہیں ہے، پہلا آسمان، دوسرا آسمان، تیسرا آسمان، چوتھا آسمان، اس پر تو رپورٹر مل جائیں گے۔ فرشتے ملیں گے، انبیاء و مرسلین ملیں گے، جہاں تک جبرئیل ساتھ گئے، جبرئیل علیہ السّلام بھی رپورٹنگ کر سکتے ہیں لیکن جب جبرئیل کا ساتھ چھوٹ گیا تو اب رپورٹر کوئی نہیں نہ۔ اب رپورٹر کوئی نہیں ہے، اب پیغمبر تنہا جا رہے ہیں، اب جو رپورٹ آئے گی وہ زبان پیغمبرؐ سے۔ پیغمبر نے کہا " اُدْنُ مِنِّیْ" کی صدائیں آتی رہیں، اور قریب آؤ۔ اور قریب آؤ اور قریب آؤ، پیغمبر کہتے ہیں کہ جب میں جبرئیل کو چھوڑ کے آگے بڑھا تو ایک ہزار مرتبہ " اُدْنُ مِنِّیْ" کی صدا آئی۔ اور قریب آؤ۔ اور میں نے ہر مرتبہ فاصلہ طے کیا جتنا زمین و آسمان میں فاصلہ ہے، سوچو، یہ کائنات کتنی بڑی ہے۔ سوچو، یہ کائنات کتنی بڑی ہے کہ ایک ہزار مرتبہ " اُدْنُ مِنِّیْ" کی صدا آئی، حبیب اور قریب آؤ، اور قریب آؤ، پیغمبر کہتے ہیں کہ ایک ایک مرتبہ میں مَیں نے اتنا فاصلہ طے کیا، جو زمین اور آسمان کا فاصلہ ہے۔ جلالِ الٰہی کو دیکھتے ہوئے چلے، جبروت الٰہی کا مشاہدہ کرتے ہوئے چلے، عرش الٰہی پر بلند ہوئے، پیغمبر کہتے ہیں کہ میرا

جوڑ جوڑ کانپ رہا تھا، مجھ پر دہشت طاری تھی جلالِ الٰہی کی کہ اتنے میں پس پردہ سے کوئی ہاتھ آیا، اور وہ ہاتھ شانے پر آکے رُک گیا، مجھے اس ہاتھ کی خنکی بھی محسوس ہوئی۔ اس کا لطف بھی محسوس ہوا، اس ہاتھ کا کرم بھی محسوس ہوا اور اَب تک اس کا مزہ لے رہا ہوں۔ بھئی مجھے کہنے دو کہ جس مقام پر معراج میں ہاتھ رکھا گیا اسی مقام پر میرے علیؑ نے قدم رکھے۔ مَیں نے اپنے سُننے والوں کو بڑی زحمت دی۔ ایک شعر سُنتے جاؤ، بہت کم عادی ہوں شعر پڑھنے کا۔ علامہ ابن ابی الحدید معتزلی رحمۃ اللہ علیہ عالمِ اسلام کے بہت بڑے عالم ہیں، اور ان کی شرح نہج البلاغہ عالم اسلام کی ایک قیمتی اور باوقعت کتاب ہے۔ انھوں نے علیؑ کی شان میں سات قصیدے لکھے اور" علویات السبع کے نام سے مشہور ہیں اور مصر سے چھپے ہیں۔ اٹھا کے ان قصیدوں کو دیکھ لینا۔ ایک قصیدے میں کہتے ہیں:۔

وَعَلِیٌّ وَاضِعاً اَقْدَامَهٗ فِیْ مَحَلٍّ وَضَعَ اللّٰهُ یَدَاً

علیؑ نے بُت شکنی کے دن اس مقام پر پاؤں رکھا، جہاں اللہ نے معراج میں ہاتھ رکھا تھا، تو اللہ کے نہ ہاتھ ہے نہ پاؤں ہے، جب چاہے اپنا ہاتھ بنا دے، جب چاہے اپنا پاؤں بنا دے۔ بس میرے عزیزو، میرے دوستو، اس مرحلۂ فکر سے آگے جانا مقصود نہیں ہے۔ بھئی اللہ کے ہاتھ نہیں ہوتے نہ۔ اب جس ہاتھ کو چاہے اپنا ہاتھ بنا لے، اللہ کے پاؤں نہیں ہوتے، جس کو چاہے اپنا پاؤں بنا لے۔ تو ہاتھ بھی اس کا، پاؤں بھی اس کا۔ اب مجھے حق ہے کہنے کا یا نہیں کہ علیؑ کا ہاتھ اللہ کا ہاتھ۔ علیؑ کا پاؤں اللہ کا پاؤں۔ توجہ ہے؟ اگر توجہ ہے تو جملہ سنو، علی کا ہاتھ۔ یداللہ تو بہت مشہور ہے نہ۔ اور آج میں اضافہ کر رہا ہوں، علیؑ کا پاؤں؟ اللہ کا پاؤں ــــ توجہ رہے، میں گفتگو کو تمام کرنا چاہ رہا ہوں اس جملے پر۔ــ علیؑ کا ہاتھ اللہ کا ہاتھ ہے اور علیؑ کا پاؤں اللہ کا پاؤں ہے۔ بس یہی سبب ہے کہ منزل ذیقار پر علی بیٹھے ہوئے اپنی پھٹی ہوئی جوتی کو ٹانک رہے تھے۔ جملہ نہج البلاغہ میں ہے دیکھ لینا اور" ذی وقار" ایک منزل ہے جو آج بھی موجود ہے، منزل اسے کہتے ہیں جہاں ایک دن کی مسافت طے کر کے قافلہ رُکے۔ اس کا نام ہے منزل، آج بھی منزلِ ذیقار موجود ہے، منزل ذیقار پر علیؑ کا لشکر رُکا ہوا تھا۔ اور علیؑ دوپہر کے وقت بیٹھے ہوئے اپنی پھٹی ہوئی جوتی ٹانک رہے تھے، اتنی پھٹی ہوئی، اتنی پھٹی ہوئی کہ لوگوں کو دیکھ کر شرم محسوس

ہو رہی تھی۔ عبداللہ ابنِ عبّاس نے کہا کہ یا امیرالمومنین کب تک اس پھٹی ہوئی جوتی کو ٹانکتے رہیں گے ؟ اٹھا کے پھینک دیں، دوسرے لے لیں۔ جوتی رکھی، ابنِ عبّاس کو دیکھا اور کہا ابنِ عبّاس علیؑ کی نگاہ میں یہ جوتی تمھارے تختِ سلطنت سے افضل ہے۔ کیا مجال ہے تختِ سلطنت کی کہ اس جوتی کا مقابلہ کرے۔ تمھارا تختِ سلطنت وہ ہے جس پر بندوں کے پاؤں آئے ہیں، اور یہ جوتی وہ ہے جس میں خدا کا پاؤں گیا۔

بس تقریر تمام ہے، دوشِ نبوت پر قدم جمائے ہوئے بتوں کو توڑ رہے ہیں اور جب بُت توڑ دیے، جست کی اور زمین پر آئے۔ بھئی کیا عجیب وغریب بات ہے جب علیؑ دوشِ محمدؐ پر تھے رسول نے ایک سوال علی سے کیا اور جب علیؑ جست کر کے زمین پر آئے تو علی نے ایک سوال رسول سے کیا۔ جب علیؑ دوشِ محمدؐ پر بلند تھے تو کہا یا علیؑ کیسا محسوس کر رہے ہو، کہا یا رسولؐ اللہ! اتنا بلند محسوس کر رہا ہوں کہ اگر چاہوں تو ہاتھ سے ستاروں کو توڑ لوں ــــ میں اپنے آپ کو اتنا بلند محسوس کر رہا ہوں اگر چاہوں تو ہاتھ بڑھا کر ستارے کو توڑ لوں۔

یہ جملہ مبالغہ رہ جاتا اگر ٹوٹ کے علیؑ کے گھر پر ستارا نہ آتا۔ ایک سوال رسولؐ نے علیؑ سے کیا، دوسرا سوال علیؑ نے رسولؐ سے کیا۔ سُن لیا نہ کہ رسولؐ نے پوچھا کہ یا علیؑ کیا محسوس کر رہے ہو؟ علی نے کہا، یارسول اللہ اتنی بلندی پر ہوں کہ اگر چاہوں تو ستارے کو توڑ لوں۔ اور علیؑ نے اس بلندی سے جست لگائی۔ دوشِ محمدؐ کی بلندی سے زمین پر جست لگائی اور کہا یا رسولؐ اللہ میں اتنی بلندی سے نیچے آیا مگر مجھے چوٹ نہیں لگی۔ کہا، یا علیؑ تمھیں چوٹ کیسے لگ سکتی تھی؟ کہا یا رسول اللہ کیوں مجھے چوٹ کیوں نہیں لگ سکتی تھی۔؟ کہا بلند کرنے والا سیدالانبیاء تھا، اُتارنے والا سیدالملائکہ تھا۔ سُن لیا، ایک سوال جب علیؑ دوشِ رسولؐ پر تھے تو رسولؐ نے علیؑ سے کیا تھا، دوسرا سوال جب علیؑ زمین پر آئے تو علیؑ نے رسولؐ سے کیا۔ دونوں سوالات اور دونوں جوابات تو سُن لیا، اب درمیان کا ایک جملہ سنو۔ درمیان کا جملہ سوال نہیں ہے، درمیان کا جملہ علی نے حیرانی کے عالم میں کہا، جب دوشِ نبوت پر کھڑے تھے قدم جمائے ہوئے، یارسولؐ اللہ، آج میرے مزاج کی کیفیت عجیب ہے، کہا یا علیؑ کیسے عجیب نہ ہو، تم کارِ حق انجام دے رہے ہو میں بارِ حق اٹھائے ہوئے ہوں۔ بس، علی کا بوجھ حق کا بوجھ ہے، علیؑ کو پیغمبرؐ نے حق کہا یا نہیں؟ کہہ دیا نہ۔ دیکھو اگر میں اپنی زبان سے

یا اپنے حوالے سے کہوں تو نہ ماننا۔ لیکن اگر بزرگوں نے لکھا ہو تو اسے مان لینا، بزرگوں نے لکھا ہے، رسولؐ نے کہا یا علیؑ! تمھارا بار، بارِ حق ہے۔ یعنی علیؑ حق ہے، اب سورہ پڑھوں۔ علیؑ حق ہے ــــ بِسمِ اللہِ الرَّحمٰنِ الرَّحِیم "وَالعَصرِ، اِنَّ الاِنسَانَ لَفِی خُسرٍ، اِلَّا الَّذِینَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَتَوَاصَوا بِالحَقِّ"۔ جب تک حق کا اعلان نہ ہو کامیابی نہیں ہوگی۔

بس تقریر تمام ہوئی۔ دیکھو اگر خسارے سے بچنا چاہتے ہو تو ایمان لاؤ، عمل صالح کرو، حق کا اعلان کرو، صبر پر قائم رہو۔ اعلانِ حق خسارے سے بچنے کیلئے ضروری ہے، بات مکمّل ہوگئی۔ اَب میں کیسے اپنے سُننے والوں کی خدمت میں عرض کروں، کچھ یاد ہے؟ یاد ہوگا کہ ابنِ سعد فوجِ یزید کا کمانڈر کربلا کے میدان میں۔ اس نے کہا تھا کہ میں اس شرط پر حسینؑ کا سر لاؤں گا کہ مجھے "رے" کی حکومت دے دی جائے۔ یاد ہے نہ۔ کہ مجھے "رے" کی حکومت کا پروانہ دے دیا جائے۔ اسے "رے" کی حکومت کا پروانہ دے دیا گیا کہ عملدرآمد اس پروانے پر اس وقت ہوگا جب تو حسینؑ کا سر لائے گا۔ کربلا کے میدان میں جب پسرِ سعد کی ملاقات ہوئی ہے حسینؑ ابنِ علیؑ سے تو حسینؑ نے کہا، پسرِ سعد میرے قتل سے باز آجا۔ میری نگاہیں دیکھ رہی ہیں کہ تجھے "رے" کا گندم کھانا بھی نصیب نہیں ہوگا۔ امامت بول رہی تھی، ملکِ "رے" کا گندم کھانا بھی نصیب نہیں ہوگا۔ اس نے تمسخر میں جملہ کہا کہ حسینؑ! کوئی پروا نہیں اگر "رے" کا گندم نہ ملے میں "رے" کی جَو پر گزارہ کر لوں گا مگر تمھیں نہیں چھوڑوں گا۔ سُن لیا عاشور کے دِن کا جملہ پسرِ سعد کا؟ اور کربلا کے واقعے کے بعد جب پروانے کو واپس لے کر پھاڑ دیا گیا اور ابنِ سعد کو شہر بدر کر دیا گیا تو ایک شخص راستے میں مِلا۔ اور کہا ابنِ سعد، کل تک تو "رے" کا پروانہ لئے گھوم رہا تھا اور آج ذلیل وخوار گھوم رہا ہے۔ یہ بات کیا ہے؟ تو اس نے بے اختیار سورہ پڑھا۔ بِسمِ اللہِ الرَّحمٰنِ الرَّحِیم، وَالعَصرِ اِنَّ الاِنسَانَ لَفِی خُسرٍ، اور کہا پوچھنے والے یہ خسارہ ہے جو مجھے نصیب ہوا۔ تاریخ ہے، اور انھیں اپنے ذہنوں میں گرہ دے کر باندھ لو کام آئیں گی یہ باتیں۔ ابنِ سعد نے یہ سورہ پڑھا، وَالعَصرِ اِنَّ الاِنسَانَ لَفِی خُسرٍ۔ انسان خسارے میں ہے۔ بہت توجہ رہے اس لئے کہ بات مکمّل ہونے جا رہی ہے۔ پسرِ سعد نے عاشور کے دن جب پہلا تیر پھینکا ہے نہ

خیامِ حسینی کی طرف تو کہا تھا، لشکر والو گواہ رہنا کہ پہلا تیر خیامِ حسینی کی طرف میں پھینک رہا ہوں۔ اور یزید کے دربار میں گواہی دینا۔ پسرِ سعد نے کسے گواہ بنایا؟ یزید کے لشکر کو۔ ارے [illegible] گواہی سنو گے؟ جب اکبرؑ چلے تو کہا پروردگار تو گواہ رہنا'۔۔۔۔ اَجْرُکُمْ عَلَی اللّٰہِ۔ آپ [illegible] ے [illegible] ریہ کیا' تقریر تمام ہوئی۔ کوئی موقع ایسا نہیں ہے کہ حسینؑ ابنِ علیؑ نے اپنے اللہ کو گواہ نہ بنایا ہو۔۔۔۔"

(تیسری مجلس)

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمْ

"وَالْعَصْرِ، اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ، اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ، وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ۔"

عزیزانِ محترم۔ انسان معاصر اور قرآن کے عنوان سے ہم نے جس سلسلۂ گفتگو کا آغاز کیا ہے وہ سلسلۂ گفتگو آج اپنے تیسرے مرحلے میں داخل ہو رہا ہے۔ ارشاد ہوا کہ وَالْعَصْر۔ زمانہ گواہ ہے۔ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ، کہ ایک ایک انسان خسارے اور گھاٹے میں ہے۔ اِلَّا الَّذِیْنَ آمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ، اس گھاٹے سے اور اس خسارے سے فقط وہ لوگ محفوظ ہیں کہ جو ایمان لائے اور جنھوں نے عملِ صالح کیا۔ "وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ" اور جنھوں نے حق کی وصیت کی، "وتواصوا بالصبر" اور جنھوں نے صبر کی وصیّت کی۔

تنہا ایمان اور عمل صالح نجات کا ذمّہ دار نہیں ہے، جب تک اس کے ساتھ حق اور صبر کی وصیّت ضروری ہے ایمان اور عمل صالح کے ساتھ۔۔۔۔ وصیّت ہے کیا؟ وصیّت کے معنی لغت میں نصیحت کرنا۔ وصیّت کے معنی نصیحت۔ یہ ہیں لغوی معنی۔ اور شریعت میں اس کے دو مفہوم ہیں۔ مفہوم خاص اور مفہوم عام۔ وصیت کا مفہوم خاص' انسان مرتے وقت اپنے مرنے کے بعد کی کچھ باتوں کا تذکرہ کرے اس کا نام ہے وصیّت۔ انسان مرتے وقت اپنے مرنے کے بعد کی ذمّہ داریوں کا ذکر کرے اپنے ورثاء سے، اس کا نام ہے وصیّت۔ یہ ہے مفہوم خاص اور مفہوم عام یہ ہے کہ کوئی لمحہ اس زمین کا خالی نہیں ہے جب انسان نہ مر رہا ہو۔ اس کرۂ ارض پر ہر لمحے میں انسان مر رہا ہے اور یہ قید نہیں ہے کہ فقط بوڑھا مر رہا ہے۔ بچّہ بھی مر رہا ہے، نوجوان بھی مر رہا ہے، جوان بھی مر رہا ہے، ادھیڑ بھی مر رہا ہے، اور وقت کسی کو نہیں معلوم کہ کس وقت مر جائے گا۔ تو جب تک زندگی آگے نہ بڑھے، حال کا ہر لمحہ آخری لمحہ ہے۔ بہت دقیق

بات ہے جو میں اپنے سننے والوں تک پہنچانا چاہ رہا ہوں۔ دیکھو انسان مر رہے ہیں نہ اس کرۂ ارض کے اوپر۔ اور جب اس کرۂ ارض پر انسان مر رہے ہیں تو کوئی قید بھی نہیں ہے کہ کس عمر کا مر جائے۔ ہر عمر کا مر رہا ہے۔ اچھا تو وقت معلوم ہے کسی کو۔ کسی کو معلوم ہے کہ کب مر جائے گا؟ کسی کو نہیں معلوم۔ تو جب تک زندگی آگے نہ بڑھ جائے۔ ہر لمحۂ حال، آخری لمحہ ہے، اور جب زندگی آگے بڑھ گئی تو وہ لمحہ زندگی کا لمحہ تھا۔ تو جب ہر لمحہ آخری لمحہ ہے تو ہر لمحے میں وصیت لازم ہے کہ نہیں؟ یہ ہے یہ ہے وصیّت کا مفہوم عام، وہ مفہوم خاص تھا کہ مرتے وقت وصیت کرو اور مفہومِ عام یہ ہے کہ چونکہ تمھیں کچھ نہیں معلوم کہ کس لمحے میں موت آجائے گی اس لئے ہر لمحے کو آخری لمحہ سمجھ کر، وصیّت کر ڈالو۔ وصیّت کو ٹالو مت، وصیت میں تاخیر مت کرو۔ یہی سبب ہے کہ پیغمبر اسلام نے ارشاد فرمایا۔ "مَنْ مَاتَ بِغَيْرِ وَصِيَّةٍ مَاتَ مِيتَةً جَاهِلِيَّةً"۔ جو شخص بغیر وصیت کئے مر جائے اس کی موت جاہلیت کی موت ہے۔ کچھ سمجھ میں آیا کہ پیغمبر اسلام نے جاہلیت کی موت کس چیز کو قرار دیا ہے؟۔ اپنے حال میں مگن ہو جاؤ اور اپنے مستقبل کا بندوبست نہ کرو یہ جاہلیت ہے۔ اپنے حال میں مطمئن رہو اور اپنے مستقبل کا بندوبست نہ کرو یہ جاہلیت ہے۔ تو اگر تمھارے ذمّہ نمازیں ہیں، تمھارے ذمہ حج ہے تو عقلمند انسان وہ ہے جو مستقبل کا بندوبست کر جائے۔ یہی سبب ہے کہ بار بار قرآن مجید نے وصیّت کا تذکرہ کیا۔ اللہ تمھیں وصیّت کرتا ہے کہ جب تم مرنے لگو اور اپنی اولاد میں جو ترکہ تقسیم کرو اس میں بیٹے کو دہرا ملے، بیٹی کو اکہرا ملے۔ دیکھو سورۂ نساء کی آیت ہے اور بہت آہستہ آہستہ اپنے سننے والوں کو آگے کی منزل تک لے جانا چاہتا ہوں۔ موضوع کے تقاضے ہیں، عنوان کے تقاضے ہیں۔ ذرا میرے ساتھ چلتے رہنا۔ يُوصِيكُمُ اللهُ فِي أَوْلَادِكُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنْثَيَيْنِ، اللہ تمھیں وصیت کرتا ہے تمھاری اولاد کے بارے میں کہ اگر تم نے بیٹا اور بیٹی چھوڑے، ایک بیٹا چھوڑا، ایک بیٹی چھوڑی تو بیٹے کو دہرا حصّہ دے دو اور بیٹی کو اکہرا حصّہ دے دو۔۔۔ آج کا معاصر انسان یہ کہتا ہے کہ جس عہد میں عورت دفتروں میں کام کر رہی ہو جس عہد میں عورت ہوائی جہاز اُڑا رہی ہو جس عہد میں عورت فوج میں کام کر رہی ہو، اس عہد میں مرد کو دُہرا دینا، عورت کو اکہرا دینا، یہ ناانصافی نہیں ہے تو پھر کیا ہے؟

بڑا سنجیدہ اعتراض ہے، اسلام پر قرآن پر آج کے معاصر انسان کا بڑا سنجیدہ اعتراض ہے، کون سا شعبۂ زندگی ایسا ہے جس میں عورت مرد کے ہمدوش نہیں جا رہی ہے۔ جا رہی ہے نہ۔؟ ہوائی جہاز مرد بھی اُڑائے، عورت بھی اُڑائے، فوج میں مرد بھی کام کرے عورت بھی کام کرے۔ دفتروں میں مرد بھی کام کرے عورت بھی کام کرے، عورت وزارت عظمیٰ تک آجائے، عورت تختِ حکومت تک آجائے تو کوئی شعبۂ زندگی ایسا نہیں ہے جہاں عورت نہ پہنچی ہو۔ تو یہ اللہ کا کون سا قانون ہے کہ مرد کو دوہرا دے دیا، عورت کو اکہرا دیا، ہے نہ قابل غور۔؟ بہت توجّہ رکھنا، میں چاہ رہا ہوں کہ قرآن مجید کا یہ فلسفہ میرے سننے والوں تک پہنچ جائے۔ دیکھو، رشتے داریوں میں عورت اور مرد میں فرق نہیں۔ مرد، ایک باپ کا بیٹا ہے، ایک بیوی کا شوہر ہے، ایک اولاد کا باپ ہے۔ مرد والدین کا بیٹا ہے، زوجہ کا شوہر ہے، اولاد کا باپ ہے، عورت، والدین کی بیٹی ہے، شوہر کی زوجہ ہے، اولاد کی ماں ہے۔ برابر ہو گیا یا نہیں؟ تو رشتے داریوں میں مرد اور عورت برابر ہیں۔ وہ بھی والدین کا بیٹا ہے یہ بھی والدین کی بیٹی ہے، وہ زوجہ کا شوہر ہے، یہ شوہر کی زوجہ ہے، وہ اولاد کا باپ ہے یہ اولاد کی ماں ہے۔۔۔ رشتے داریوں میں برابر ہو گئے۔ لیکن کفالت میں برابر نہیں ہیں، بیٹا جب پیدا ہوا تو ذمہ داری کفالت کی بیٹے کی؟ باپ پر ہے، جب بیٹا بالغ ہو گیا تو ذمہ داری خود اس کے اوپر ہے، جب شادی کر لی تو بیوی کی ذمہ داری آگئی۔ جب اولاد پیدا ہو گئی تو اب اولاد کی کفالت کی ذمّہ داری آگئی۔ کیا عجیب و غریب مرحلۂ فکر ہے، جب تک بچّہ تھا ذمہ داری باپ پر تھی، بالغ ہوا اپنی ذمّہ داری آئی۔ شادی کی زوجہ کی ذمہ داری آئی اولاد پیدا ہوئی اولاد کی ذمہ داری آئی۔ اور اب اُلٹ دو۔ بیٹی جب تک بچّی تھی باپ کفالت کر رہا تھا جب شادی ہوئی شوہر کفالت کرنے لگا۔ جب بوڑھی ہو جائے گی بیٹا کفالت کرے گا۔ دیکھا اس فلسفے کو؟ مرد سر سے لے کر پاؤں تک کفالت کی ذمّہ داری قبول کرے، عورت اپنی زندگی کے کسی لمحے میں بھی کسی کفالت کی ذمّہ دار نہیں ہے۔ میں ذرا اور واضح کر دوں۔ کہہ رہے ہیں کہ یہ عدل انسانیت کے خلاف ہے کہ مرد کو دوہرا دے دیا جائے اور عورت کو اکہرا حصّہ دیا جائے میراث میں۔ یہ عدل کے خلاف ہے، عدل انسانیت کے خلاف ہے۔ اب بتاؤں کہ کیسے عدل کے موافق ہے۔ توجہ رہے۔ مرد کو کتنا ملا؟ دو حصّے۔

عورت کو کتنا ملا؟ ایک حصّہ ملا بہت توجہ رہے اس لئے کہ فلسفۂ شریعتِ اسلامی کو واضح کر رہا ہوں۔ ایک گھر میں ایک بیٹا ہے، ایک بیٹی ہے، کُل دو اولادیں ہیں ــــ اچھا تو مرد کو کتنا دیا ــ؟ دو حصّے عورت کو کتنا دیا؟ ایک حصّہ۔ اب یہ دونوں بڑے ہوئے، بیٹا بھی بڑا ہوا، بیٹی بھی بڑی ہوئی۔ بیٹے نے شادی کی، تو جو اُدھر سے بیٹی آئی وہ اپنا ایک حصّہ لے کے آئی۔ بہت توجہ رہے، میں بتلانا چاہ رہا ہوں کہ اسلام کا عدلِ انسانیت کیا ہے؟ ایک بیٹا، ایک بیٹی، بیٹے کو دوہرا حصّہ ملا، بیٹی کو اکہرا حصّہ ملا، جب بیٹا بڑا ہوا اور اس نے شادی کی تو ادھر سے جو لڑکی آئی وہ ایک حصّہ لے کے آئی۔ تو اس کے اور ایک اس آنے والی لڑکی کا تین حصّے ہوگئے یا نہیں۔ اب جب یہ بیٹی گھر سے گئی تو اپنا حصّہ لے کے گئی، شوہر کے پاس پہلے سے دو تھے اس کے بھی تین حصّے ہوگئے یا نہیں ہوئے؟ سمجھاؤ انسان معاصر کو کہ قرآن کوئی بات عدل کے خلاف نہیں کرتا۔ یہ ہے عدلِ انسانیت کہ جب بیٹی گئی اپنا حصّہ لے کر تو وہاں بھی تین ہوگئے۔ اور جب بیٹی آئی اپنا حصّہ لے کر تو اِدھر بھی تین حصّے ہوگئے۔

تو مرد سَر تا سَر کفالت، سَر تا سَر ذمّہ داری اور عورت پر کوئی ذمہ داری نہیں ہے۔ ٹھیک ہے نہ! طے ہوگئی بات۔ بچّی تھی ذمّہ دار باپ تھا، شادی ہوئی ذمہ دار شوہر ہے۔ بوڑھی ہوئی ذمہ دار اولاد ہے لیکن فرض کرلو کہ اگر عورت کا باپ زندہ ہو اور اس کے پاس کھانے کو نہ ہو، جب بھی بیٹی پر باپ کا نفقہ واجب نہیں ہے۔ لیکن تھوڑی دیر کے لئے فرض کرلو، کہ اخلاقی ذمہ داری تو ہے نہ۔ اسی لئے ایک حصّہ دے دیا، کہ اگر کوئی ایسا مفروضہ سامنے آجائے جس میں عورت پر ذمہ داری آجائے تو عورت اپنے حصّے سے اس کی کفالت کرسکے۔ جملہ سنئے کہ بیٹی پر باپ کا نفقہ واجب نہیں ہے، زوجہ پر شوہر کا نفقہ واجب نہیں ہے یعنی اگر زوجہ کروڑپتی ہو تو اس پر واجب نہیں ہے کہ وہ اپنی دولت شوہر کو دے دے اگر پوری دولت رکھے ہوئے ہے جب بھی شریعت کو اعتراض نہیں ہے، ــــ پھر سنا کہ اگر عورت کروڑپتی ہو تو اس پر واجب نہیں ہے کہ وہ اپنی دولت شوہر کو دے دے۔ اب خدیجہ سمجھ میں آئیں؟ اب بات آگئی خدیجہ تک تو کچھ جملے سنتے چلو تا کہ ابتدائے اسلام بھی سمجھ میں آجائے۔

میرے محمدؐ کی نبوت کی ابتدا ابھی سمجھ میں آجائے ــــ، سمجھ میں آگئیں خدیجہ؟ حکم نہیں تھا، پوری دولت شوہر پر نثار کردی۔ ایسی ہو تو فاطمہ کی ماں کہلائے، جانتے ہو اس شہزادی کو؟ بھئی آگے جانا ہے مجھے لیکن اب جملے آگئے تو سنتے جاؤ۔ ابتدائے نزول کے سورے۔ اب میں اگر ترتیب سے سناؤں تو بڑا وقت درکار ہوگا۔ ترتیب نزول، آج کی ترتیب نہیں، یہ ہے ترتیب تلاوت، جس سے تم قرآن کو پڑھ رہے ہو۔ اور ایک ہے ترتیب نزول۔ گیارہواں سورہ، سورۂ والضحیٰ، بارہواں سورۂ الم نشرح۔ تیرہواں سورہ، سورۂ والعصر جس کی تلاوت میں کر رہا ہوں، گیارہواں، بارہواں تیرھواں، سورۂ والعصر تیرھواں ہے، چودھواں سورہ، سورہ والعادیات، پندرھواں سورہ۔ سورۂ الکوثر۔ اس ترتیب کو ذہن میں رکھنا۔ پہلے والضحیٰ آیا، پھر الم نشرح کا سورہ آیا، پھر والعصر کا سورہ آیا پھر والعادیات کا سورہ آیا پھر سورۂ کوثر آیا۔ اسے ذہن میں رکھنا اس ترتیب سے کام لینا ہے مجھے، ابتدائی سورے ہیں پیغمبرِ اکرمؐ کی نبوت کے پونے دو سال کے اندر یہ سورہ نازل ہوئے۔

اب چلو قرآن کی طرف سورۂ نٓ والقلم۔ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ نٓ وَالْقَلَمِ وَمَا يَسْطُرُونَ، مَا أَنْتَ بِنِعْمَةِ رَبِّكَ بِمَجْنُونٍ، ” حبیب نون کی قسم، حبیب قلم کی قسم، ”وَمَا يَسْطُرُونَ“ اور حبیب مستقبل میں لکھی جانے والی تحریر کی قسم ”مَا أَنْتَ بِنِعْمَةِ رَبِّكَ بِمَجْنُونٍ“ حبیب تو مجنون نہیں ہے۔ بھئی کہنے کی کیا ضرورت تھی؟ اگر میں کسی سے کہوں کہ آپ پاگل نہیں ہیں تو وہ ناراض ہوجائے گا کہ آپ کو شبہہ کیسے ہوا؟ آپ کو شبہہ کیسے ہوا، تو ہوگا کوئی اعتراض، اور کسی نے رسولؐ کو مجنون کہا ہوگا جبھی قرآن نے آواز دی کہ حبیب تو مجنون نہیں ہے۔ مشرک نے مجنون کہا تھا، قرآن نے رد کردیا۔ اچھا ن والقلم سن لیا، جاؤ سورہ حاقّہ میں عجیب و غریب طریقے سے پروردگار نے کہا، ”لَا بِقَوْلِ شَاعِرٍ“ دیکھو یہ قرآن کسی شاعر کا قول نہیں ہے، میرا محمدؐ شاعر نہیں ہے، ن والقلم نے کہا مجنون نہیں ہے، سورۂ حاقّہ نے کہا شاعر نہیں ہے اور پھر اگلی آیت نے کہا ”وَلَا بِقَوْلِ كَاهِنٍ قَلِيلًا مَّا تَذَكَّرُونَ“ اور دیکھو یہ کسی جادوگر کا قول نہیں ہے۔ میرا حبیب جادوگر نہیں ہے۔ یہ ایک رسولِ کریم ہے جو تمہیں قرآن سنا رہا ہے۔ تو ایک جگہ کہا یہ مجنوں نہیں ہے، ایک جگہ کہا یہ جادوگر نہیں ہے، ایک جگہ کہا یہ شاعر نہیں ہے، تو پورے

عرب کے معاشرے کی اور سماج کی تاریخیں اٹھا کے دیکھو، میرے محمدؐ پر مشرکوں نے تین ہی اعتراض کئے، وہ مکّہ کے مشرک بڑے بڑے سردار کہنے لگے اس کی بات نہ سنو مجنون ہے، کسی نے کہا، دیکھو اس کی بات کا سنجیدگی سے نوٹس نہ لو یہ تو شاعر ہے، اِدھر اُدھر کی اُڑاتا ہے۔ تو دو اعتراض ہو گئے، مجنون ہے، شاعر ہے، کسی نے آواز دی کہ یہ ستارے کو اُتار لیتا ہے یہ چاند کو توڑ دیتا ہے، یہ جادوگر ہے۔ سُنا، میرے نبیؐ پر جھوٹ کا الزام نہیں لگا، میرے نبیؐ پر خیانت کا الزام نہیں لگا، بھئی سُنتے جانا، آج میں تاریخِ اسلام کے ایک ورق کو تمھارے سامنے پیش کرنا چاہتا ہوں، مشرک کل تک کہہ رہا تھا کہ صادق ہے، یہ امین ہے، مشرکوں نے کہا یا نہیں رسوؐل کو کہ یہ سچے ہیں اور یہ بڑے امانت دار ہیں اور آج رسوؐل ان کے عقیدے کو بُرا کہہ رہا ہے۔ تو اب کہہ دیں کہ یہ سچا نہیں ہے، نہیں کہتے۔ کل جو مُنھ سے نکل گیا کہ یہ سچا ہے تو اَب مشرک ہے مگر بات نہیں بدلے گا۔ مشرک ہے مگر بات کو تبدیل نہیں کرے گا۔ تو اب مشرک نے سوچا کہ کیا کریں کہ لوگ اس رسوؐل کی بات نہ سُنیں، کہا کہ کہہ دو یہ شاعر ہیں۔ مکّہ کے سماج میں اعلان کر دیا کہ یہ شاعر ہیں، آج کے شاعر کی بات نہیں کر رہا ہوں، وہ شاعر سورۂ شعرا والا۔ شاعر اِدھر اُدھر کی اُڑاتا ہے، شاعر جو کہتا ہے وہ کرتا نہیں ہے، شاعر وہ کرتا ہے جو کہتا نہیں ہے، شاعر کی پیروی گمراہ لوگ کرتے ہیں، شاعر ہر وادئ خیال میں "ٹامک ٹوئیاں" مارتا ہے۔ یہ سورۂ شعراء کے آخری پیراگراف کا ترجمہ کر رہا ہوں میں، تو یہ شاعر اس سماج میں اس عہد میں ایک ایسا انسان تھا جو غیر سنجیدہ تھا۔ ٹھیک کہا، مجنون ہے، کہا، شاعر ہے، پھر کہا جادوگر ہے، جادو کرتا ہے۔ کچھ سمجھ میں آیا کہ یہ مشرک تین الزام لگا کر چاہتا کیا تھا؟ بتاؤں؟ آرام سے سُننا۔ بھئی مشرک کی نفسیات کیا ہیں۔ دیکھو اس زمانے کا سنجیدہ انسان شاعر کی بات کا نوٹس نہیں لیا کرتا تھا۔ تو محمدؐ کو شاعر کہہ کے سنجیدہ لوگوں کو ہٹا دیا کہ یہ محمدؐ کی بات سُننے نہ پائیں۔ شاعر کہا جا رہا تھا منصوبے کے ساتھ کہ سنجیدہ لوگ پڑھے لکھے لوگ، دانشور لوگ محمدؐ کی بات نہ سُن لیں، کہہ دیا شاعر ہے۔ تو شاعر کہہ کے سنجیدہ لوگوں کو ہٹا دیا۔ پھر کہا مجنون ہے پاگل ہے، پاگل آپ کے لئے قابلِ رحم ہو گا، بچّوں کے لئے تماشا ہے۔" تو پاگل کہہ کر بچوں کے لئے تماشا بنا دیا۔ شاعر کہہ کر سنجیدہ لوگوں کو ہٹا دیا۔ اب جادوگر کہا۔ اب تم جادوگر سے ڈر دیا نہ ڈرو۔ عرب کے سماج میں

عورتیں جادوگر سے بہت خوف کھاتی تھیں۔ تو جادوگر کہہ کے عورتوں کو ہٹا دیا۔ شاعر کہا تاکہ سنجیدہ لوگ رسوؐل کی بات نہ سُنیں۔ مجنوں کہا، تاکہ بچّوں کا تماشہ بن جائے، جادوگر کہا، تاکہ عورتیں بات نہ سُنیں۔ اب محمدؐ نے طے کیا کہ تم سنجیدہ لوگوں کو میرے پاس سے ہٹا رہے ہو۔ تم بچّوں کا تماشہ بنا رہے ہو مجھے، تم مجھے جادوگر کہہ کے عورتوں کو خوفزدہ کر کے ہٹانا چاہتے ہو۔ جب سہی کہ جب میں نبوت کا اعلان کروں تو سنجیدہ لوگوں کے لئے ابو طالب کو لاؤں، تم مجھے جادوگر کہہ رہے ہو تاکہ عورتیں میری بات نہ سُنیں جب سہی کہ خدیجہ کو تمھارے سامنے لاؤں، اور تم مجھے بچّوں کے لئے کھلونا بنانا چاہتے ہو۔؟ جب سہی کہ میں علیؑ کو تمھارے سامنے کر دوں۔ ابو طالب، خدیجہ، علیؑ یہ ٹیم ورک ہے ہدایت کا یہیں سے میں آگے جاؤں گا۔ گیارہواں سورہ سورۂ وَالضُّحٰی۔ بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ۔ وَالضُّحٰی، وَاللَّیۡلِ اِذَا سَجٰی، مَا وَدَّعَکَ رَبُّکَ وَمَا قَلٰی، وَلَلۡاٰخِرَۃُ خَیۡرٌ لَّکَ مِنَ الۡاُوۡلٰی، وَلَسَوۡفَ یُعۡطِیۡکَ رَبُّکَ فَتَرۡضٰی، اَلَمۡ یَجِدۡکَ یَتِیۡمًا فَاٰوٰی، وَوَجَدَکَ ضَآلًّا فَھَدٰی، وَوَجَدَکَ عَآئِلًا فَاَغۡنٰی، فَاَمَّا الۡیَتِیۡمَ فَلَا تَقۡھَرۡ، وَاَمَّا السَّآئِلَ فَلَا تَنۡھَرۡ، وَاَمَّا بِنِعۡمَۃِ رَبِّکَ فَحَدِّثۡ۔"

کیا تیور کا سورہ ہے، پورے سورے کی تشریح نہیں کروں گا۔ وہ تینوں شخصیتیں ذہن میں رہیں۔ ابو طالبؑ، خدیجہؑ، علیؑ۔ ذہن میں رکھنا ان تینوں شخصیتوں کو۔ وَالضُّحٰی۔ دن کے وقت کی قسم، وَاللَّیۡلِ اِذَا سَجٰی، جب رات اندھیری ہو جائے اس وقت کی قسم، مَا وَدَّعَکَ رَبُّکَ وَمَا قَلٰی، "اے حبیب ہم نے کبھی تم کو اکیلا نہیں چھوڑا اور اے حبیب ہم تم سے کبھی ناراض نہیں ہوئے۔" وَلَلۡاٰخِرَۃُ خَیۡرٌ لَّکَ مِنَ الۡاُوۡلٰی" حبیب تمھارا انجام تمھارے آغاز سے بہتر ہو گا۔" وَلَسَوۡفَ یُعۡطِیۡکَ رَبُّکَ فَتَرۡضٰی" حبیب ہم تمھیں ایک چیز عطا کریں، ایسی چیز کہ تم ہم سے راضی ہو جاؤ گے۔" اَلَمۡ یَجِدۡکَ یَتِیۡمًا فَاٰوٰی" حبیب تم یتیم تھے ہم نے تمھیں اپنی آغوش میں لے لیا ــــ ابتدائی وحی ہے۔ حبیب، تم یتیم تھے ہم نے تمھاری تربیت کی۔ حبیب تم گمنام تھے ہم نے تمھارا تعارف کرایا، اور حبیب تم مفلس تھے ہم نے تمھیں دولت دی ــــ سب کو معلوم ہے کہ بچپنے میں تربیت کس نے کی۔ اور جوانی میں مفلسی کو تونگری سے کس نے بدلا، بھئی۔ ابتدائے نزول کے سورے میں ابو طالب کا بھی تذکرہ ہے خدیجہ کا بھی

تذکرہ ہے ـــــ اب جملہ سُننا۔ حبیب تم یتیم تھے ہم نے تم کو اپنی پناہ میں لے لیا، حبیب تم گمنام تھے ہم نے ساری انسانیت کی ہدایت کی تمھاری طرف، حبیب تم مفلس تھے ہم نے تمھیں دولت دے دی۔ یتیمی میں پناہ دینے والے رسولؐ کے چچا ابو طالب، مفلسی میں دولت دینے والی خدیجہ ـــــ اے حبیب دیکھو، یتیم کے درشت لہجے میں بات نہ کرنا اور حبیب سائل کو جھڑک کے بات نہ کرنا، اور اے حبیب ہم نے تمھیں جو نعمتیں دی ہیں ان کا بار بار تذکرہ کرو ـــــ پہلی نعمت یتیمی میں کفالت کرنا، دوسری نعمت تنگ دستی میں دولت دینا، ایک نعمت ابو طالب کے ذریعہ تمام کی، دوسری نعمت خدیجہ کے ذریعہ تمام کی اور حکم یہ کہ بار بار ان نعمتوں کا تذکرہ کرتے رہنا۔ تو اب اگر محمدؐ ابو طالب اور خدیجہ کا تذکرہ کریں تو کسی کو اعتراض کیوں ہو؟

بہت تیزی کے ساتھ میں آگے بڑھ رہا ہوں۔ گیارہواں سورہ، سورۂ وَالضُّحٰی، ابو طالب کا ذِکر، خدیجہ کا ذِکر اور بارہواں سورہ، اس کے فوراً بعد آیا ہے اَلَمْ نَشْرَحْ۔ اسی لئے علماء نے یہ فتویٰ دیا ہے کہ جب سورۂ وَالضُّحٰی پڑھو نماز میں تو "اَلَمْ نَشْرَحْ" کے ساتھ پڑھو، اس لئے کہ یہ دونوں مِل کر ایک ہیں۔ تو سورۂ وَالضُّحٰی میں ابو طالب کا تذکرہ خدیجہ کا تذکرہ اور اب اَلَمْ نَشْرَحْ کی ابتدائی آیت پڑھ دوں۔؟ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۔ "اَلَمْ نَشْرَحْ لَکَ صَدْرَکَ، وَوَضَعْنَا عَنْکَ وِزْرَکَ، اَلَّذِیْٓ اَنْقَضَ ظَھْرَکَ" حبیب کیا ہم نے تمھارے سینے کو نہیں کھولا اور حبیب کیا ہم نے تمھیں بوجھ ہٹانے والا نہیں دیا؟ دیکھو بڑا نازک مسئلہ ہے۔ "اَلَّذِیْٓ اَنْقَضَ ظَھْرَکَ" ایسا بوجھ جس نے تمھاری پُشت توڑ رکھی تھی۔ "وزر" کے معنی ہیں بوجھ۔؟ توجہ رکھئے گا۔ "وزر" کے معنی؟ بوجھ۔ وزیر کے معنی بوجھ اٹھانے والا۔ "اَلَمْ نَشْرَحْ لَکَ صَدْرَکَ" کیا ہم نے تمھارے سینے کو کھول نہیں دیا، درمیان سے چھوڑ رہا ہوں۔ "وَوَضَعْنَا عَنْکَ وِزْرَکَ" اور اے حبیب کیا ہم نے تمھیں وزیر عطا نہیں کیا۔ تو سورۂ وَالضُّحٰی میں ابو طالب اور خدیجہ کا تذکرہ، سورہ اَلَمْ نَشْرَحْ میں علی کا تذکرہ۔ آ گیا نہ۔ اور اب درمیان سے دو سورے نکال رہا ہوں "سورۂ وَالْعَصْرِ" اور "سورہ والعادیات" پندرہ سورہ "سورۂ کوثر" کیا کہا تھا سورۂ وَالضُّحٰی میں؟ "وَلَسَوْفَ یُعْطِیْکَ رَبُّکَ فَتَرْضٰی" حبیب ہم تمھیں ایک چیز عطا

کریں گے۔ "یعطیک" عطا کریں گے۔ اتنی بڑی چیز کہ تم اسے پانے کے بعد ہم سے راضی ہو جاوگے۔ تو اب کوئی ایسی چیز ملنے والی ہے محمدؐ رسول اللہ کو کہ جب ملے گی تو محمدؐ رسول اللہ، اللہ سے راضی ہو جائیں گے۔ وعدہ کیا وَالضُّحٰی میں "وَلَسَوْفَ یُعْطِیْکَ" ہم عطا کریں گے۔ اور سورۂ کوثر میں کہا، "اِنَّآ اَعْطَیْنٰکَ الْکَوْثَرَ" کوثر ہم نے عطا کر دیا۔ سورۂ وَالضُّحٰی میں کہا، حبیب ایک ایسی چیز ہم تمھیں عطا کریں گے کہ تم ہم سے راضی ہو جاؤ گے اور سورۂ کوثر میں کہا، حبیب ہم نے تمھیں کوثر عطا کر دیا۔ کتنی شان سے۔ "اِنَّا" ہم نے، "اَعْطَیْنٰکَ" ہم نے "اَعْطَیْنَا" ہم نے عطا کیا "الکوثر" کوثر کو۔ بڑا اصرار ہے اللہ کو اور اللہ بڑا ناز کر رہا ہے کوثر دے کر۔ حبیب ہم نے تمھیں کوثر عطا کر دیا۔ کیا ہے یہ کوثر؟ کیا محمدؐ رسول اللہ سے کوئی چھوٹی چیز ہے؟ اگر چھوٹی چیز ہو تو چھوٹی سی چیز دے کر احسان جتانا احسان جتانا اس کی شانِ کریمی کے خلاف ہے تو رسولؐ سے چھوٹی چیز تو نہیں ہے ـــــ نہیں ہے نہ؟ اچھا، تو کیا رسول سے بڑی بھی کوئی چیز ہے؟ دُنیا میں رسولؐ سے بڑی کوئی شے ہے ہی نہیں۔ تو کوثر جو بھی ہے۔ نہ رسولؐ سے چھوٹی ہے نہ رسولؐ سے بڑی ہے۔ تو اب رسولؐ کے برابر ہو گی نہ؟ تو اسی لئے کہا، "اَوَّلُنَا مُحَمَّدٌ، وَاَوْسَطُنَا مُحَمَّدٌ، وَآخِرُنَا مُحَمَّدٌ وَکُلُّنَا مُحَمَّدٌ" ـــــ

بس مَیں نے زحمت تمام کی۔ "یُوْصِیْکُمُ اللّٰہُ فِیْٓ اَوْلَادِکُمْ" جو بیٹی ہو اس کا اکہرا حصّہ۔ اور اب آگے بڑھ کے آواز دی،

"شَرَعَ لَکُمْ مِّنَ الدِّیْنِ مَا وَصّٰی بِہٖ نُوْحًا وَّالَّذِیْٓ اَوْحَیْنَآ اِلَیْکَ وَمَا وَصَّیْنَا بِہٖٓ اِبْرٰھِیْمَ وَمُوْسٰی وَعِیْسٰٓی اَنْ اَقِیْمُوا الدِّیْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِیْہِ" (شوریٰ ۱۳)

ہم نے دین دیا، ہم نے شریعت دی نوح کو وصیت کر کے، ابراہیم کو وصیت کر کے، موسیٰ کو شریعت دی ہے وصیت کر کے، عیسیٰ کو دین و شریعت دی ہے ہم نے وصیت کے ذریعہ "وَالَّذِیْٓ اَوْحَیْنَآ اِلَیْکَ" اور حبیب ہم نے وہی تینوں شریعتیں تجھے وحی کے ذریعہ دی ہیں۔ انھیں وصیت کے ذریعہ ملا، تجھے وحی کے ذریعہ ملا، اب میں وضاحت نہیں کروں گا اسی منبر سے بتا چکا ہوں اور اب کروں گا نہیں اس مرحلے پر ـــــ وصیت میں اور وحی میں کیا فرق ہے؟ دین اور شریعت جب نوح کو، ابراہیم کو،

موسیٰ کو اور عیسیٰ کو ملے تو وصیت سے ملے اور وہی تینوں شریعتیں جب پیغمبرؐ کو ملیں تو وحی سے ملیں۔ فرق کیا ہے دونوں میں۔ وصیّت کے معنی ہیں "البیان الواضح" واضح طریقے سے بات کا کہہ دینا اور وحی کے معنی ہیں "اشارۃ السریۃ المخفیہ" ایسا اشارہ جو مخاطب سمجھے دوسرا نہ سمجھے۔ تو سارے انبیاء کو لکھ کے دی گئی شریعت، اور محمدؐ کے مزاج میں ڈال دی گئی۔ محمدؐ رسول اللہ کے مزاج میں شریعت ڈالی گئی یعنی مزاج محمدؐ مزاج وحیِ الٰہی۔ اگر سوئے جب وحیِ الٰہی، اگر سُلادے جب وحیِ الٰہی، اگر جاگے جب وحیِ الٰہی، اگر جگادے جب وحیِ الٰہی، اگر بیٹھے وحیِ الٰہی سے، اگر بٹھادے وحیِ الٰہی سے، اگر اٹھے تو وحیِ الٰہی سے اگر اٹھادے تو وحیِ الٰہی سے۔

بہت تیزی سے میں آگے بڑھ رہا ہوں۔ اللہ کی وصیت تم نے سُنی کہ لوگوں کو اس نے کیا وصیّت کی۔ انبیاء کو کیا وصیّت کی۔ اور اب آواز دی کہ ابراہیم نے وصیت کی اپنے بیٹوں کو، ابراہیم نے وصیّت کی یعقوب کو کہ دیکھو اللہ نے دین کو تمھارے لئے چُنا ہے اور تم مرو تو اسلام پر مرنا۔ یہ عجیب کمال ہے۔ بیٹے مسلمان ہیں اور ابراہیم وصیت کر رہے ہیں مرو تو اسلام پر مرنا، یعنی کلمہ پڑھ لیا ہے، جب سہی کہ موت بھی کلمہ پر آئے۔ سمجھ رہے ہو نہ۔ یہ ابراہیم کی وصیت اپنے بیٹوں کے نام اور اب پروردگار نے آواز دی۔ اللہ نے تم پر واجب کر دیا ہے وصیت کا مفہوم خاص۔ اللہ نے تم پر واجب کر دیا ہے کہ جب تمھاری موت آئے تو اگر خیر چھوڑ کے جا رہے ہو تو وصیت کرو۔ قرآن میں جہاں جہاں "کُتِبَ عَلَیکُم" آیا ہے اس سے مراد ہے واجب کر دیا۔ جب کسی شخص کی موت کا وقت قریب آجائے، "اِن تَرَکَ" اگر وہ چھوڑ رہا ہے "خَیرًا" خیر "الوَصِیَّۃَ" تو واجب ہے کہ اس خیر کے لئے وصیت کر جائے۔ اگر وہ دُنیا میں شر چھوڑ کے جا رہا ہے تو وصیّت کی ضرورت نہیں ہے۔ اگر اپنے ترکے میں شر چھوڑ کے جا رہا ہے تو وصیت کی ضرورت نہیں ہے۔ اگر خیر چھوڑ کے جا رہا ہے تو وصیت واجب ہے۔ ٹھیک ہے؟ اللہ نے کیا کہا؟ خیر چھوڑ کے جاؤ تو وصیت واجب ہے اور پیغمبرؐ نے کیا کہا۔ اگر وصیّت کے بغیر مر گئے تو جاہلیت کی موت مرے۔ ٹھیک۔ بھئی بہت توجہ رکھنا۔ اس لئے کہ اگر میں اس مفہوم کو واضح کر سکا تو میری آج کی محنت سوارت ہوگئی ___ کیا چھوڑ کے جانے پر وصیت واجب ہے؟

"خیر"۔ "اِن تَرَکَ خَیرًا" اگر وہ خیر چھوڑ کے جا رہا ہے تو ہم نے اس پر واجب کر دیا کہ وہ وصیّت لکھے۔ اب سُنو، دو آیتیں سناؤں گا قرآن سے کہ خیر کیا ہے؟ اِذَا قِیلَ لِلَّذِینَ اتَّقَوا مَاذَا اَنزَلَ رَبُّکُم قَالُوا خَیرًا۔ جب پوچھا جاتا ہے متقیوں سے کہ یہ قرآن کیا ہے تو کہتے ہیں خیر ہے۔ آیت کی روشنی قرآن؛ خیر ہے اور اب دوسری آیت پڑھوں۔ "کُنتُم خَیرَ اُمَّۃٍ اُخرِجَت لِلنَّاس" تمھیں ہم نے اُمّت کا خیر بنایا ہے تاکہ تم ہدایت کرو۔ اس سے مراد پوری امّت نہیں ہے، کچھ خیر ہے۔ ہم نے اس پوری امّت میں سے کچھ لوگوں کو خیر بنایا جو امر بالمعروف کرتے ہیں وہ نہی عن المنکر کرتے ہیں وہ ہدایت کے فریضے کو انجام دیتے ہیں ___ تو یہ کون لوگ ہیں، جو خیر ہیں؟ بتاؤں؟ زیارت جامعہ کا جملہ "اِن ذُکِرَ الخَیرُ کُنتُم اَوَّلَہُ وَاَصلَہُ وَفَرعَہُ وَمَعدَنَہُ وَمَاوِیہِ وَمُنتَہَاہُ" اے آلِ محمدؐ! جہاں کہیں بھی خیر کا تذکرہ ہو اس کی بنیاد تم ہو اس کی شاخیں تم ہو، خیر کی پناہ گاہ تم ہو، خیر جب تھک کر آتا ہے تو تمھارے زانو پر آکے سر رکھ دیتا ہے ___ تو میرے دوستو! قرآن کی روشنی میں خیر کیا ہے؟ قرآن۔ دوسرا خیر کیا ہے؟ آلِ محمدؐ۔ "قرآن خیر، آل محمدؐ خیر، ٹھیک ہے۔؟ اب آیت سے ملائیے۔ اگر تم خیر چھوڑ کے جا رہے ہو تو وصیّت کرو۔ قرآن بھی خیر ہے، آل محمدؐ بھی خیر ہیں۔ اب محمدؐ پر واجب ہے یا نہیں کہ ان دونوں کے لئے وصیّت کریں۔؟ اسی لئے کہا "اِنِّی تَارِکٌ فِیکُمُ الثَّقَلَین"۔ اِنِّی تَارِکٌ فِیکُمُ الثَّقَلَین کِتَابَ اللّٰہِ وَعِترَتِی اَھلَ البَیتِی۔ "اِنِّی تَارِکٌ"۔ میں چھوڑ کے جا رہا ہوں۔ "تَارِکٌ" کا لفظ تبلا رہا ہے کہ نبی کی زندگی کا آخری جملہ ہے۔ "اِنِّی تَارِکٌ" "تَارِکٌ" اب آیت یاد آگئی۔ "اِن تَرَکَ خَیرَ الوَصِیَّۃَ" اگر مرنے والا خیر چھوڑ کے مرے تو وصیت کرے۔ وہاں تھا "تَرَکَ" نبی نے کہا، "اِنِّی تَارِکٌ" اب میں چھوڑ کے جا رہا ہوں۔ یعنی نبی کی نبوت کا آخری جملہ "اِنِّی تَارِکٌ فِیکُمُ الثَّقَلَینِ کِتَابَ اللّٰہِ وَعِترَتِی وَاَھلَ البَیتِی"۔ نبوت کا پہلا جملہ کیا تھا؟ جتنے سُننے والے ہیں ان سے سوال ہے کہ نبوت کا پہلا جملہ کیا تھا؟ ادھر سے آواز آئی "قُولُوا لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ" تو نبوت کا پہلا جملہ ہے۔ "لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ" نبوت کا آخری جملہ ہے، "اِنِّی تَارِکٌ" پہلے جملے کا جس نے انکار کیا، مسلمان اسے کافر کہتے ہیں تو جو آخری جملے کا انکار کر دے اس کے لئے فتویٰ کیا ہے؟

گفتگو وصیّت پر تمام ہونے جا رہی ہے۔ اللہ نے دو مقامات پر لفظ کو بدل کے آواز دی، ہم نے انسان کو وصیت کی کہ وہ اپنے والدین کے ساتھ احسان کرے، اسی جملے کو ایک لفظ کی تبدیلی کے ساتھ سورۂ عنکبوت میں کہا، "وَوَصَّیْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَیْہِ حُسْنًا" ہم نے انسان کو وصیّت کی ہے کہ اپنے والدین کے ساتھ حُسن سلوک کرے۔ کتنی بڑی وصیّت ہے۔ اب آیت کا ترجمہ سُنو۔ سُنو۔ اللہ نے تمھیں تراب سے بنایا ہے تم سب تراب ہو جو زمین پر گھوم پھر رہے ہو؟ اَب میں کیا کہوں اس پڑھے لکھے بیدار مجمع سے۔ بھئی تم سب تراب ہو، جتنے گزر گئے وہ سب تراب، جتنے ہیں وہ تراب، قیامت تک جتنے آئیں گے وہ تراب اور میرا علیؑ ابو تراب، باپ ہے یا نہیں۔؟"

میں نے اپنے معزز اور محترم سُننے والوں کی خدمت میں آیت پیش کی تھی اور اَب روایت سنو۔ اور حوالہ تلاش کرنا، دُنیا میں جتنی مناقب کی کتابیں لکھی گئی ہیں، سب میں دیکھ لینا۔ میرے نبیؐ نے کہا، اس امت کے دو باپ ہیں، میں ہوں اور علی ہیں۔ پوری اُمت کے دو باپ، کسی فرد کے نہیں اُمت کے دو باپ، قیامت تک آنے والی اُمت کے دو باپ محمدؐ رسول اللہ اور علی ابنِ ابیطالبؑ۔ ٹھیک ہے نہ۔ تو اب روایت سناؤں، بڑی معتبر کتابوں کی روایت ـــــ؟ اگر گنہ گار باپ، ہم آپ جیسا۔ اگر گنہ گار باپ اپنے نافرمان بیٹے کو گھر سے نکال دے تو گھر سے گیا ہی، جنّت سے بھی گیا۔ بھئی میرے نبیؐ کا قول ہے، اگر گنہ گار باپ مجھ جیسا آپ جیسا آپ جیسا، نافرمان بیٹے کو گھر سے نکال دے تو گھر سے بھی گیا جنّت سے بھی گیا۔ تو اب اگر معصوم باپ ہو؟ تو اطاعت لازم ہے یا نہیں؟ عام باپ اگر اپنے نافرمان بیٹے کو گھر سے نکال دے تو وہ گھر سے بھی گیا اور جنّت سے بھی گیا۔ اور اب دوسری روایت سُناؤں؟ میرے نبیؐ نے کہا، اگر کوئی بڑا متقی ہو، بڑا پرہیز گار ہو اگر اس کا باپ اس سے ناراض ہے تو جنّت میں جانا بہت دور کی بات ہے جنّت کی خوشبو بھی نہیں سونگھے گا۔ بڑا متقی ہو، بڑا پرہیز گار ہو، اگر باپ کی اطاعت نہیں کرتا، اگر باپ کی نافرمانی کرتا ہے تو جنّت میں جانا تو دور کی بات ہے جنّت کی خوشبو بھی نہیں سونگھے گا۔ اس حدیث کو سُن کے کوئی حدیث یاد آئی۔ کندھے پر علیؑ کے ہاتھ رکھ کے کہا، کہ یا علیؑ! اگر کوئی قائم اللیل ہو، کوئی صائم النہار ہو، زندگی بھر پا پیادہ حج کرے، کوہ ابو قبیس کے برابر سونا خیرات کرے

اور صفا و مروہ کے درمیان سعی کرتا ہوا قتل ہو جائے تو یا علیؑ اگر تیری محبت اس کے دِل میں نہیں ہے تو جنّت میں جانا تو دور ہے خوشبو بھی نہیں سونگھ سکے گا۔" مَیں نے اپنے سننے والوں کو زحمت دی، معتبر کتابوں سے معتبر روایت ہدیہ کئے ہیں۔ یہ مبالغہ نہیں ہے، نبی مبالغہ نہیں کرتا۔ اور یہ شان امامت ہے۔ بتاؤں امامت کیا ہے؟ نبوت کی ڈیفنس لائن ہے۔ اس جملے کو سوچتے رہنا۔ نبوت امامت کی دفاعی لائن ہے۔ اور نبوت توحید کی دفاعی لائن ہے۔ بتاؤں۔ یزید نے اپنی بادشاہت کے پہلے سال حسینؑ کو قتل کیا، دوسرے سال مسجد نبوی میں گھوڑے بندھوائے۔ تیسرے سال خانۂ کعبہ پر حملہ کروا دیا۔ پہلے سال امامت پر حملہ ہوا، امامت پر زد آئی تو دوسرے سال نبوت پر حملہ ہو گیا، نبوت پر زد آئی تو تیسرے سال توحید پر حملہ ہو گیا۔ سمجھ میں آیا۔ تو امامت نبوت کا حصار ہے، نبوت توحید کا حصار ہے، اگر امامت ٹوٹے گی تو نبوت پر حملہ ہو گا، اگر نبوت ٹوٹے گی تو توحید پر حملہ ہو گا ـــــ اسی لئے ہم نے "علی ولی اللہ" رکھا کہ قیامت تک "محمد الرسول اللہ" محفوظ ہو جائے۔

تقریر تمام ہو گئی۔ گفتگو پہنچ گئی کربلا تک۔ بادشاہت کے پہلے سال امامت پر حملہ ہے ـــ قتلِ حسینؑ۔ ٹھیک ہے نہ۔ کل تک گفتگو تھی مدینہ سے چلنے کی سنو گے۔ میں نے کل ۲۸ رجب کا واقعہ بیان کیا۔ ۲۸ رجب کی شب کا واقعہ عرض کروں۔ ایک صحابئ رسول تھے، حضرت عروہؓ غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ، گراں گوش تھے۔ کان اچھی طرح سنتے نہیں تھے۔ رجال کی کتابوں میں اس بزرگ کے لئے لکھا ہے کہ اتنے گراں گوش تھے کہ بادل کی گرج کی آواز بھی ان کے کان تک نہیں جاتی تھی، کان کام نہیں کر رہے تھے۔ ۲۸ رجب کی شب کو عروہؓ غفاری سوتے سوتے چونک کے اٹھے اور اُٹھ کے بیٹھ گئے۔ زوجہ نے اشارے سے پوچھا ہوا کیا؟ یہ تم اٹھ کیسے گئے۔ کہنے لگے کہ میں اتنا گراں گوش ہوں کہ بادل کی گرج نہیں سُنتا۔ لیکن آج میرے کانوں میں کچھ بیبیوں کے رونے کی آوازیں آ رہی ہیں۔ پہنچ گئی نہ بات۔ امامِ زمانہ نے زیارت ناحیہ میں ایک جملہ کہا، سلام ہو ان لوگوں پر جن سے بجر وطن چھڑایا گیا۔ کہا، میرے کانوں میں گرج کی آواز نہیں آتی، یہ کچھ بیبیوں کے رونے کی آوازیں آ رہی ہیں۔ تو زوجہ نے رو کے کہا، ارے یہ فاطمہ زہرا کی بیٹیاں رو رہی ہیں۔ بس اجرکم اللہ، اس سے زیادہ

عرض کرنا نہیں چاہتا۔ بیبیوں نے مدینہ چھوڑا ہے روتے ہوئے۔ شاہزادی زینبؑ نے مدینہ چھوڑا ہے روتے ہوئے۔ کوئی اپنی مرضی سے وطن چھوڑے تو وہ روتا نہیں ہے۔ سلام ہو ان مسافروں پر جن سے بہ جبر وطن چھڑایا گیا۔ ۸؍ ذی الحجہ کو جب حسینؑ نے طے کرلیا کہ میں مکہ چھوڑ دوں گا۔ یاد ہے نہ۔ ۲۸؍ رجب کو چلے تھے، تیسری شعبان کو وارد مکہّ ہوئے اور ۸؍ ذی الحجہ کو مکہّ سے چلنے لگے، جب پورا سامان سفر تیّار ہو گیا تو حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ وتعالی عنہٗ آئے حسینؑ کے پاس اور کہنے لگے حسینؑ، رشتے داری کا بھی ایک تقاضہ ہے اور ایک تقاضہ یہ بھی ہے کہ تم فرزندِ رسولؐ ہو، تمھیں مشورہ دینا چاہتا ہوں۔ کہا فرمایئے۔ کہا حسینؑ میں زمانے کے حالات دیکھ رہا ہوں اور میں سمجھ رہا ہوں کہ تم اگر مکہّ سے سفر اختیار کرو گے تو تمھاری جان محفوظ نہیں ہے۔ کہا، ابن عبّاس! میں نے طے کرلیا ہے، میرے نانا خواب میں آئے تھے، میں نے طے کرلیا ہے کہ مجھے مکہ چھوڑنا ہے۔ کہا، اچھا فرزندِ رسولؐ، اگر آپ جا ہی رہے ہیں تو آپ جائیں ان بیبیوں کو کیوں لے جارہے ہیں؟ فضائے مکہّ میں دو جواب بلند ہوئے، ایک جواب حسینؑ نے دیا۔ کہا ابن عبّاسؓ۔ میں کیا کروں اللہ کی مشیعت یہ ہے کہ وہ ان بیبیوں کو قیدی دیکھے۔ اور دوسرا جواب ایک محمل سے آیا، شہزادی زینبؑ نے آواز دی کہ ابن عبّاس! بہن کو بھائی سے چھڑانا چاہ رہے ہو ـــ"

قافلہ چلا، اور دوسری محرّم کو یہ قافلہ سرزمین کربلا پر وارد ہوا۔ سرزمین کربلا پر جب حسینؑ کا ذوالجناح پہنچا تو گھوڑے نے چلنے سے انکار کیا۔ حسینؑ نے پے بہ پے سواریاں بدلیں، کوئی گھوڑا آگے بڑھنے کے لئے تیّار نہیں تھا۔ کہا بلاؤ ذرا گاؤں والوں کو، گاؤں والے آئے، کہا اس گاؤں کا نام کیا ہے؟ مختلف نام لئے گئے آخر میں ایک بوڑھے نے کہا، فرزندِ رسولؐ اس زمین کا نام کربلا ہے۔ بس یہ سُننا تھا کہ ایک مرتبہ حسینؑ نے آواز دی، خدا کی قسم یہ کرب و ابتلا کی منزل ہے، یہاں ہماری سواریاں ٹھہر جائیں گی۔ یہاں ہمارے بچے ذبح کیئے جائیں گے، یہاں محمدؐ کے اہلِ حرم اسیر کرلئے جائیں گے بس آخری جملہ۔ کہا، عبّاس خیمے لگاؤ۔ ٹھہرنے کا بندوبست کرو، سُنو گے، عبّاس نے خیمے لگائے، جب خیمے لگ گئے تو کہا ذرا بنی اسد کے لوگوں کو بلا کر لاؤ۔ گاؤں والے آئے حسینؑ نے ساٹھ ہزار درہم دے کر

دو مربع میل کا علاقہ خریدا اور خریدنے کے بعد جب تحریر ہو گیا وہ علاقہ تو وہ تحریر بنی اسد کے ہاتھ میں رکھ دی اور کہا جاؤ میں نے یہ زمین تمھیں ہبہ کی۔ لیکن میری تین وصیتیں ہیں۔ پہلی وصیت تو یہ ہے کہ جب ہم قتل ہو جائیں تو ہمیں دفن کردینا۔ دوسری وصیت یہ ہے کہ اگر کوئی ہمارا نشانِ قبر پوچھتا ہوا آئے تو اسے بتلا دینا اور تیسری وصیت یہ ہے کہ ہمارے زائروں کو تین دن اپنا مہمان رکھنا۔ میرے دوستو! میرے بزرگو! تم نے گریہ کیا، مجلس تمام ہو گئی لیکن اب آخری جملہ بھی سُن لو۔ بنی اسد کے مردوں سے وصیت کی کہ ہمیں دفن کردینا۔ جب مرد جارہے تھے تو پکار کے کہا، بنی اسد کے مردو! ذرا اپنی عورتوں کو بھی بھیج دینا۔ عورتیں آئیں حسینؑ نے کہا اے بنی اسد کی عورتوں میں فاطمہ زہرا کا بیٹا ہوں، ـــ میں خدیجۃ الکبریٰ کا نواسہ ہوں، میں تمھاری شہزادی زینبؑ کا بھائی ہوں۔ اگر تمھارے مرد فوجِ یزید سے ڈر کر ہمیں دفن نہ کریں تو پانی بھرنے کے بہانے سے آنا اور ہمیں دفن کردینا۔ عورتیں روتی ہوئی چلیں تو پھر پکار کے کہا، اپنے چھوٹے چھوٹے بچّوں کو بھیج دینا۔ جب بچّے آئے تو حسینؑ نے کہا بچو! میں بھی تمھارے جیسے بچوں کا باپ ہوں، میں اصغر کا باپ ہوں، میں سکینہ کا باپ ہوں میں اکبر کا باپ ہوں اگر تمھارے باپ اور تمھاری مائیں ہمیں دفن نہ کریں تو کھیلنے کے بہانے سے آنا اور ایک ایک مٹھی خاک ہماری لاشوں پر ڈال دینا تاکہ ہماری لاشیں بے کفن نہ رہیں۔

(چوتھی مجلس)

بِسمِ اللہِ الرَّحمٰنِ الرَّحِیمِ

"وَالعَصرِ اِنَّ الاِنسَانَ لَفِی خُسرٍ اِلَّا الَّذِینَ اٰمَنُوا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَتَوَاصَوا بِالحَقِّ وَتَوَاصَوا بِالصَّبرِ"

میرے محترم سامعین کے علم میں یہ بات ہے کہ دین دو حصّوں پر مشتمل ہے۔ ایک حصہ کا نام عقیدہ ہے اور دوسرے حصّہ کا شریعت ہے۔ جسے آسان زبان میں اصول دین اور فروع دین کہا جاتا ہے۔ عقیدہ وہ ہے کہ جسے کھلے دل کے ساتھ تسلیم کیا جائے اور عمل وہ ہے کہ جو اللہ کرواتا جائے ہم کرتے جائیں۔ عقیدہ اصول دین، شریعت فروع دین۔ اس چھوٹے سے سورۂ مبارکہ میں پروردگار عالم نے انھیں دو باتوں کو دو لفظوں میں ارشاد فرمایا ہے۔ "وَالعَصرِ اِنَّ الاِنسَانَ لَفِی خُسرٍ اِلَّا الَّذِینَ وَآمنوا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ۔" ایمان لاؤ، عمل صالح کرو۔ ایمان، اصولِ دین، عمل صالح، فروعِ دین۔ دائرہ عمل صالح کا بڑا وسیع ہے۔ انسان کا رشتہ اللہ کے ساتھ، اس رشتے میں نماز بھی ہے، روزہ بھی ہے، حج بھی ہے، زکوٰۃ بھی ہے، خمس بھی ہے اور دوسرے فروعات ہیں تو انسان کا رشتہ اللہ کے ساتھ ہے۔ انسان کا رشتہ اپنے جیسے دوسرے انسان کے ساتھ، اس میں نکاح بھی ہے، طلاق بھی ہے، میراث بھی ہے، وقف بھی ہے، وصیّت بھی ہے، صنعت بھی ہے، تجارت بھی ہے یعنی ساری چیزیں شامل ہیں۔ اور اب تیسرا رشتہ، انسان کا رشتہ اپنی ذات کے ساتھ کہ تمھیں اپنے اعضاء و جوارح کے ساتھ کیا سلوک کرنا ہے، تمھارے اعضاء و جوارح اور تمھاری ذات کے حقوق تمھارے اوپر کیا ہیں؟ تو ان رشتوں کا نام ہے فروع دین اور تین رشتوں کا نام ہے عمل صالح۔ اگر یہ بات واضح ہو گئی تو اب یہیں سے میں اپنے سُننے والوں کو آگے لے جانا چاہتا ہوں ــــ حقوق اللہ۔ انسان کا رشتہ اللہ کے ساتھ۔ حقوالعباد، انسان کا رشتہ اپنے جیسے بندوں کے ساتھ۔ حقوق النفس، انسان کا رشتہ اپنی ذات کے

ساتھ۔ بھئی یہ حق ہے کیا؟ "وَتَوَاصَوا بِالحَقِّ" کیا ہے حق؟ تو جاؤ جتنی ڈکشنریاں ملیں حق کے معنی دیکھو۔ حق کے معنی وہ چیز جو پہلے سے ثابت ہو۔ حق کے معنی وہ شئے جو پہلے سے واقعاً موجود ہو۔ اسے کہتے ہیں حق۔ اگر یہ بات سمجھ میں آجائے گی تو میں اسی مقام سے آگے بڑھوں گا۔ حق کسے کہتے ہیں؟ جو پہلے سے ثابت ہو، حقیقت کسے کہتے ہیں؟ جو پہلے سے موجود ہو۔ یعنی تمھارے ماننے نہ ماننے سے اس کے وجود پر کوئی فرق نہیں آتا۔ تم مانو یا نہ مانو اگر چیز ہے، اس کی کوئی حقیقت ہے تو وہ موجود ہے۔ تمھارے ماننے نہ ماننے سے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ توجہات مبذول رہیں۔ میں ذرا بات کو سطحِ عمومی سے بلند کر رہا ہوں تھوڑی دیر کے لئے۔ اچھا، تو جو واقعی شئے ہو، جو حقیقی شئے ہو اس کا نام ہے حق۔ دیکھو، سچّائیوں کا اعتبار بھی حق پر ہے۔ سچّائی کے کیا معنی ہیں؟ سچّائی کے معنی جو حقیقت ہے اس کے مطابق بیان کرنا۔ یعنی حقیقت پہلے ہے، بیان بعد میں۔ اور جھوٹ کے معنی کیا ہیں؟ جو چیز نہیں تھی وہ میں نے بیان کی۔ تو اگر حقیقت کو درمیان سے نکال دو تو نہ سچ باقی رہے گا، نہ جھوٹ باقی رہے گا۔ لیکن اس کے برعکس یورپ کے ایک مشہور فلسفی نے یہ نظریہ دیا کہ حقیقت کچھ نہیں ہے۔ سوچو تو ہے نہ سوچو تو نہیں ہے۔ برکلے بڑا مشہور فلسفی گزرا ہے اور میں فلسفۂ تصوریت بیان نہیں کروں گا۔ اپنے سننے والوں کی خدمت میں میں صرف ہیڈ لائن بیان کر رہا ہوں۔ اس نے یہ تصوّر دیا کہ سوچو تو ہے اور نہ سوچو تو وہ چیز نہیں ہے۔ یعنی یہ ایک عجیب بات ہے کہ اس چیز کا وجود اور اس چیز کا عدم تمھاری سوچ پر ہے۔ تو تم جو سوچ رہے ہو وہ ہے یا نہیں؟ میں پوچھنا چاہ رہا ہوں کہ اگر سوچ ہی پر چیز کا وجود ہے تو جب تک تم نے سوچا نہیں تھا، تم تھے یا نہیں۔؟ اگر سوچنے سے پہلے نہیں تھے تو پھر لایا کون؟ اس کا مطلب یہ کہ کوئی حقیقت ہے جو تم سے سچوا رہی ہے۔ ابھی میں منزل تمہید میں اپنے کچھ مسائل کو استوار کرنا چاہ رہا ہوں تاکہ بات کو یہاں سے آگے لے جاؤں۔ تو حقیقت کا وجود ثابت ہے۔ تمھاری سوچ اسے مانے یا نہ مانے۔ یہی وجہ ہے کہ پروردگار نے قرآن میں آواز دی "وَیَعلَمُونَ اَنَّ اللہَ ھُوَ الحَقُّ المُبِینُ۔" سب جانتے ہیں کہ اللہ کھلا ہوا حق ہے۔ یعنی تمھارے سوچنے یا نہ سوچنے پر مبنی نہیں ہے۔ مانو جب بھی حق ہے نہ مانو جب بھی حق ہے۔ اللہ ہے حق مبین

تواَب اس کو حق ہے کہ وہ حقوق کو معین کرے۔ اب تمہید کو زیادہ طولانی نہیں کروں گا لیکن یہ بات واضح ہو جائے۔ اللہ ہے کائنات کا سب سے بڑا حق۔ تو پھر بنیادی حق اسی کا ہو گا۔ بنیادی حق ہے؟ حقوق اللہ۔ اور اس نے جو بندے بنائے تو ان کے وجود کے تقاضوں کے اعتبار سے کچھ دوسرے حق دے دئے۔ تو اب بنیادی حق اللہ کا اور اللہ نے کہا، بندوں کے حق کو دے دو۔ اب یہاں سے آیا حقوق العباد کا مسئلہ اور چونکہ تم ہو اور ہم تمھارے وجود کو چاہتے ہیں تو اپنے اعضا و جوارح پہ ظلم نہ کرو۔

یہاں سے حقوق نفس کا مسئلہ آیا۔ عجیب مرحلۂ فکر ہے اور اس مرحلۂ فکر پر روک کر اپنے سننے والوں کی خدمت میں کچھ کہنا چاہ رہا ہوں۔ کل کی آیت ذہن میں ہو گی جس میں پروردگار ارشاد فرما رہا ہے کہ "ہم نے یہ طے کیا ہے کہ جب تمھاری موت کا وقت آجائے تو اگر خیر چھوڑ کے مر رہے ہو اس خیر کی وصیت کرو والدین کے لئے اور اپنے قریبی رشتہ داروں کے لئے، یہ حق ہے جو ہم نے متقین پر واجب کر دیا۔" ذرا سا میں بات کو اور واضح کر دوں، یہ حق ہے جو ہم نے متقین پر واجب کیا ہے؟ چلو ذرا تاریخ کی طرف۔ سب کو یاد ہے کہ پیغمبر نے کہا، کل میں علم دوں گا، رجل کو، کرار کو، غیر فرار کو، خدا اور رسول کے محبوب کو، خدا اور رسول کے محب کو وہ واپس نہیں آئے گا جب تک خیبر فتح نہ کرے، اتنی روایت تو تم نے سنی ہو گی، اب آگے کا جملہ مجھ سے سنو، جیسے ہی رسول نے کہا، کل میں علم دوں گا، رجل کو، کرار کو، غیر فرار کو، خدا اور رسول کے محبوب کو تو ایک مرتبہ کچھ لوگوں نے آگے بڑھ کے پوچھا کہ رسول اللہ کسے دیں گے؟ تو رسول نے کہا، اسے دوں گا۔ جو علم کے حق کو ادا کر سکے۔ صرف علم کو ہاتھ نہیں لگانا ہے، علم کے حق کو ادا کرنا ہے تو حق سمجھ میں آیا؟ اَب میں کیسے اپنے سننے والوں کی خدمت میں عرض کروں۔ بس یہیں سے فکر آگے بڑھ رہی ہے۔ تاریخ کے حوالے سے دیکھنا۔ پیغمبر اپنی زندگی کے آخری لمحات میں عوام الناس کے سامنے اعلان کر رہے ہیں کہ میں اب اس دنیا سے جانے والا ہوں۔ اگر تم میں سے کسی کا کوئی حق میرے اوپر ہو تو میں اجازت دیتا ہوں کہ وہ حق مجھ سے وصول کر لے۔ بھرے مجمع سے ایک شخص اٹھ کے کھڑا ہو گیا اس نے کہا، یا رسول اللہ آپ ایک سفر میں جا رہے تھے

اور آپ نے سواری کے ناقہ کو تازیانہ مارا اور اتفاق سے وہ تازیانہ میرے بدن پر لگ گیا۔ تو یا رسول اللہ میں یہ چاہتا ہوں کہ اس تازیانے کے بدلے میں (نعوذ باللہ) آپ کو تازیانہ لگاؤں۔ یہ ہے میرا حق۔ کہا میرا عصا لایا جائے۔ عصا آیا، کہا یا رسول اللہ! جس وقت آپ کا تازیانہ لگا میرے جسم پر لباس نہیں تھا۔ پیغمبر نے اپنی قمیص ہٹائی ___ جیسے ہی پیغمبرؐ نے قمیص ہٹائی وہ دوڑتا ہوا گیا، پیغمبر کے جسم کو بوسہ دیا، کہا یا رسول اللہ! یہ جھوٹ تھا۔ یا رسول اللہ میں تو بہانہ بنا رہا تھا آپ کے جسم مطہر کو بوسہ دینے کے لئے ___ میرا نبی کہہ سکتا تھا کہ میں نے اپنی پوری زندگی میں ناقہ کو تازیانہ نہیں مارا۔ پیغمبر کی لائف ہسٹری میں دیکھ لینا کہ پیغمبر نے اپنی زندگی میں کبھی اپنی سواری کو تازیانہ مارا۔ تو رسول کہہ سکتے تھے کہ تو جھوٹا ہے، میں نے تو کبھی تازیانہ نہیں مارا۔ لیکن نبی نے کہا نہیں، جھوٹا سہی، میں تو جھوٹا حق بھی دینے کے لئے تیار ہوں۔ اب جو میرا اُمتی ہو پہلے سچا حق تو دے دے۔

حق سمجھ میں آیا؟ ایک اللہ کا، دوسرا حق بندے کا، ٹھیک ہے نہ۔ آیت یاد ہے نہ۔ آیت کا ترجمہ مجھ سے سنو۔ "جو اپنے آپ کو سلنڈر کر دے اللہ کی بارگاہ میں اور اللہ کے بندوں کے ساتھ احسان بھی کرتا ہو تو سمجھ لو کہ وہ نجات کے راستے پر آگیا، اس نے اللہ کی مضبوط رسی کو تھام لیا۔"

فقط اللہ کے آگے سر بسجود ہو جانا کافی نہیں ہے، احسان بھی کرو، نیکی بھی کرو، بھلائی بھی کرو۔ تو اللہ اس کا اجر دے گا۔ اس شخص کے دین سے بہتر کس کا دین ہو گا جو خدا کی بارگاہ میں بھی جھکا ہوا ہو اور بندوں کی خدمت بھی کر رہا ہو۔ یہ ہے مزاج قرآنی، تنہا اللہ کے آگے جھک جانا کافی نہیں ہے۔ یا تنہا بندوں کی خدمت کرنا کافی نہیں ہے۔ اللہ کے آگے بھی جھکو، سلنڈر کر دو اپنے کو اللہ کے آگے لیکن بندوں کی خدمت سے غافل نہ رہو۔

آج کی دنیا دو حصّوں میں بٹی ہوئی ہے، کچھ وہ ہیں جو مخلوق سے کٹ کر اللہ کے پاس چلے گئے۔ کچھ وہ ہیں جو اللہ کا انکار کر کے فقط خدمت خلق میں مگن ہیں۔ اور انسان معاصر کی اکثریت انھیں کی ہے، یعنی آج کے گلوبل سوسائٹی میں، کرۂ ارض کے معاشرے میں، پورے کرۂ ارض پر اکثریت انھیں لوگوں کی ہے، جنھوں نے کہا، خدا سے ہمارا کوئی ربط نہیں ہے، ہمارا ربط اپنے جیسے

خدمت خلق کر رہے ہیں۔ تو ایک گروہ اللہ سے کٹ گیا، خدمتِ خلق میں مگن ہو گیا۔ دوسرا گروہ مخلوق سے کٹ گیا اور اللہ کے سامنے سر بسجود ہو گیا۔ قرآن نے آواز دی کہ ہم ایسے اسلام کو قبول نہیں کریں گے۔ اس اسلام کو قبول کریں گے جو بندوں کے ساتھ سلوک بھی کرتا ہو۔ اب سنو، تم نماز پڑھ رہے ہو۔ کٹے ہوئے ہو نہ بندوں سے۔ اللہ کی بارگاہ میں ہو۔ تم نماز پڑھ رہے ہو ایک شخص آیا اور اس نے تمھیں سلام کیا، حکم یہ ہے کہ نماز پڑھ رہے ہو اللہ سے مخاطب ہو، میں آگیا، میں نے تمھیں سلام کیا، حکم یہ ہے کہ نماز کو وہیں روکو اور مجھے جواب سلام دو۔ اور پھر نماز کو آگے بڑھاؤ۔

یعنی ایک ہی وقت میں خدا سے بھی تعلّق رہے بندوں سے بھی تعلق رہے۔ "وھو محسن" محسن کے معنی جانتے ہو؟ محسن کے معنی نیکی میں پہل کرنے والا۔ نیکی میں سبقت کرنے والا۔ اللہ عدل کا حکم دیتا ہے، اللہ احسان کا حکم دیتا ہے۔ احسان کے معنی؟ نیکی میں سبقت۔ اگر تمھارے ساتھ کسی نے نیکی کی اور اس نیکی کے بدلے میں تم نے نیکی کی تو یہ جزا ہے نیکی کی۔ یہ احسان نہیں ہے، ابتدائی جو نیکی کی وہ ہے احسان۔" جس نے نیکی میں پہل کی ہے وہ ہے احسان۔ تمھیں کچھ معلوم ہے کہ حدیث ہے پیغمبر کی کہ سلام میں ابتدا کرنے والا پہلے جنّت میں جائے گا اور جواب سلام دینے والا بعد میں جائے گا، جب کہ سلام کی ابتدا کرنا مستحب ہے، جواب دینا واجب ہے۔ مستحب والا آگے ہو گا واجب والا پیچھے ہو گا۔ اب احسان کی قیمت سمجھ میں آئی؟ کیوں آگے ہو گا مستحب والا؟ اس لئے کہ محسن ہے۔۔۔۔ "اَلَّذِیْنَ هُمْ مُحْسِنُوْنَ" وہ اللہ کی بارگاہ میں جھکا ہوا ہے لیکن اس کے ساتھ احسان بھی کر رہا ہے۔

اچھا، تو احسان کے معنی معلوم ہو گئے نہ۔ نیکی میں پہل کرنا۔ اب ہمارے معاشرے کا مزاج کیا ہے؟ حضرت مولانا سہیل آفندی تشریف فرما ہیں۔ برصغیر کے مشہور و معروف خطیب اور قرآن کا خاص ذوق رکھنے والے حضرت نجم آفندی رحمۃ اللہ علیہ کے صاحبزادے۔ بڑے مشہور ذاکر ہیں۔ مولانا کو میں نے مخاطب کیا۔ میں جان بوجھ کر ان موضوعات پر بات کرنے کا عادی بن رہا ہوں جن کے سننے کے لوگ عادی نہیں۔ منبر کا حق ہے کہ وہ مسائل بیان کئے جائیں جن مسائل سے آج ملّت اسلامیہ دوچار ہے۔ تو احسان کے معنی؟ نیکی میں پہل کرنا۔ ہمارا معاشرہ ہے؟ بدلے کا معاشرہ۔ وہ ہماری شادی میں نہیں آئے ہم

ان کی شادی میں کیوں جائیں؟ ہے یا نہیں۔ وہ ہمارے یہاں تعزیت میں نہیں آئے ہم ان کے یہاں تعزیت میں کیوں جائیں؟ ہم مریض ہو گئے، وہ ہماری عیادت کو نہیں آئے تو ہم ان کی عیادت کو کیوں جائیں؟ یہ تمھارا معاشرہ ہے کہ تم مخلوق سے بدلہ مانگ رہے ہو اور یہ اسلام کا دیا ہوا معاشرہ ہے کہ وہ کچھ بھی نہ کرے لیکن ہم نیکی میں پہل کریں گے اگر دُنیا، کل اس ایک قانون کو اپنالے تو ساری دنیا کے بین الاقوامی جھگڑے نپٹ سکتے ہیں۔۔۔۔ بڑے جھگڑے ہیں بین الاقوامی۔ بین الاقوامی مسائل الجھے ہوئے ہیں۔ میں یہ صرف یہ کہنا چاہ رہا ہوں کہ اگر ہر ایک یہ طے کرلے کہ وہ نیکی میں پہل کرے گا تو بین الاقوامی جھگڑے نپٹ جائیں گے۔ یہ ہے قرآن کا دیا ہوا حل۔ کر کے تو دیکھو۔ اگر نہ ہو تو میرے قرآن کو نہ ماننا۔

دُنیا سے اپیل کر رہا ہوں کہ نیکی میں پہل کر کے دیکھو۔ احسان ہے نیکی میں پہل کرنا۔ آج کی سماعت زیادہ نہیں ہے۔ اور یہ ساری تمہید کسی مرحلے پر اختتام پذیر ہونے جا رہی ہے۔ قرآن کی آیت سنو۔ وَمَنْ یُّسْلِمْ وَجْهَهٗۤ اِلَى اللّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ، بَلٰى مَنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ، وَمَنْ اَحْسَنُ دِيْنًا مِّمَّنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ۔"

"وَهُوَ مُحْسِنٌ" احسان کرو، نیکی میں پہل کرو۔ ٹھیک ہے نہ۔ احسان سمجھ میں آگیا۔ اب سُننا۔ شریعت کے آنے سے پہلے اگر کوئی حکم شریعت پر عمل کرے یہ احسان ہے۔ شریعت کے آنے کے بعد کوئی اس نیکی پر عمل کرے تو اطاعت ہے اور اگر شریعت کے آنے کے بعد کوئی اس نیکی کو ٹھکرا دے تو بغاوت ہے۔ احسان، اطاعت، بغاوت۔۔۔۔ سمجھ گئے نا۔ اچھا تو کوئی شریعت کو ٹھکرا دے بغاوت ہے۔ حکم شریعت پر عمل کرے اطاعت ہے، اور اگر شریعت کے آنے کے پہلے۔ ابھی تو قرآن نہیں آیا! ابھی حدیث نہیں آئی، ابھی حلال نہیں آیا، ابھی حرام نہیں آیا۔ اور پھر وہ شریعت پر عمل کرے یہ احسان ہے۔

تو جاؤ دیکھو قرآن نے کہا، "اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ يَنْصُرْكُمْ" مدد کرو دین محمدؐ کی، مدد کرو دین خدا کی، مدد کرو خدا کی۔ تو حکم آیا ہے قرآن میں کہ دین محمدؐ کی مدد کرو۔ حکم آیا ہے قرآن میں کہ محمدؐ کی مدد کرو۔ لفظوں کو بدل رہا ہوں۔ "اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ"۔ بھئی اللہ کی نصرت کیا ہے؟ اللہ محتاج تھوڑی ہے تمھاری مدد کا۔ "اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ يَنْصُرْكُمْ" اگر تم اللہ کی مدد کرو گے تو اللہ تمھاری مدد کرے گا اور تمھیں ثابت قدم

رکھے گا تمھیں۔ اللہ کی مدد کیا ہے؟ اللہ کے محمدؐ کے دین کی مدد، اللہ کی جو کتاب آئی ہے اس کی حفاظت اس کی مدد تو محمدؐ کی مدد، حکم آیا قرآن میں، اگر اس حکم کے آنے کے بعد کوئی محمدؐ کی مدد کرے تو وہ اطاعت کر رہا ہے تو یہ احسان کر رہا ہے۔

وہ اور ہیں جنھوں نے شریعت کے آنے کے بعد شریعت پر عمل کیا، انہوں نے اطاعت کی اور وہ اور ہے کہ جس نے بچپنے میں محمدؐ کی مدد کی۔ "اَلَمْ یَجِدْكَ یَتِیْمًا فَاٰوٰی" کل کی آیت حبیب تم یتیم تھے تو ہم نے تمھیں اپنی آغوش تربیت میں لے لیا۔ تربیت ہم نے کی؟ تو ہاتھ جوڑ کے پوچھوں کہ پروردگار تو تو ہر یتیم کی تربیت کرنے والا ہے، تو تو ہر یتیم کی کفالت کرنے والا ہے۔ تو تو ہر یتیم کا پالنے والا ہے، یہ خصوصیت سے کیوں کہہ رہا ہے؟ کہہ دیتا حبیب ہم نے تمھیں اوّل مخلوق بنایا، حبیب ہم نے تمھیں لولاک بنایا، حبیب ہم نے تمھیں صاحبِ معراج بنایا۔ اتنے بڑے کام کئے۔ اتنی بڑی بڑی فضیلتیں دیں محمدؐ کو ان کا تذکرہ نہیں کر رہا ہے، کہتا ہے کہ تم یتیم تھے، ہم نے تمھاری کفالت کی۔ تو، تو تو ہر یتیم کی کفالت کرنے والا ہے۔ یہاں کیوں کہہ رہا ہے کہ تم یتیم تھے ہم نے کفالت کی، تو جواب یہی آئے گا کہ میں قرآن میں اپنے محمد کی سیرت لکھ رہا ہوں۔"

درمیان کی آئتیں میں نے چھوڑ دیں۔ حبیب، تو یتیم تھا کفالت ہم نے کی، حبیب، تیرے پاس دولت نہیں تھی دولت ہم نے دی، کفالت اس سے کروائی جو کفالت کا اہل تھا اور دولت اس سے دلوائی جو دولت کی اہل تھی۔ دونوں کا کردار دیکھو اور ترازو کے پلّوں میں رکھ دو، دونوں برابر نکلیں گے! ابو طالبؑ نے شریعت کے آنے سے قبل حق نصرت ادا کیا اور خدیجہ نے شریعت کے آنے سے قبل انفاق کیا راہِ خدا میں۔ اس بات کو گرہ میں باندھ لینا کہ بہت سوں نے مال لُٹایا راہ خدا میں، اس میں کوئی شک و شبہ نہیں، لیکن آیت کے آنے بعد لُٹایا۔ تو جو آیت کے آنے کے بعد لُٹائے وہ مسلمان ہے۔ اور جو آیت کے آنے سے پہلے لُٹا دے وہ فاطمہؑ کی ماں ہے۔ میں لفظوں کو بدل دوں؟ اگر مکّہ میں خدیجہ کی دولت نہ ہوتی تو ابتدائی مسلمان ہونے والے فاقوں سے مر جاتے۔ تو سارے مسلمانوں کو پالا ہے اسلام نے اور اسلام کو پالا ہے خدیجۃ الکبریٰ نے۔"

"اَلَمْ یَجِدْكَ یَتِیْمًا فَاٰوٰی" حبیب تو یتیم تھا ہم نے تجھے اپنی پناہ میں لے لیا۔ صرف پناہ میں نہیں لیا، نصرت کی، لوگوں کو روکا کہ محمدؐ پر ہاتھ نہ اٹھانے پائیں، اچھا۔ رسولؐ کی دو زندگیاں ہیں۔ ایک زندگی، مکی زندگی۔ دوسری زندگی مدنی زندگی۔ ٹھیک ہے؟ تیئس ۲۳ برس ابتدائی مکے میں، دس برس بعد والے مدینے میں جتنی جنگیں ہوئی ہیں، وہ مدینہ میں ہوئی ہیں مکہ میں نہیں ہوئیں سب جانتے ہیں، جب رسولؐ ہجرت کر کے مدینے میں تشریف لے گئے۔ مشرکین مکہ چڑھ دوڑے اور بدر میں آ گئے، خندق میں آ گئے۔ یہی تو ہوا نہ۔ مکہ سے پانچ سو کلومیٹر، چھ سو کلومیٹر کا فاصلہ طے کر کے مدینہ میں جا رہے ہیں لڑنے محمدؐ سے۔ ارے بھئی، تو جب محمدؐ مکہ میں تھا وہیں کیوں نہیں لڑ لئے۔ بہت توجہ رہے، خدا کی قسم سیرت محمدؐ کا عجیب رُخ ہے، تیرہ سال مکّے کے دس سال مدینے کے۔ مکّے میں رسولؐ تیرہ سال رہے، مشرک مخالفت کر رہا ہے لیکن محمدؐ سے جنگ نہیں کرتا اور جب محمدؐ ہجرت کر کے مدینے آ گئے تو اب مشرک چڑھ دوڑا۔ تو جب تک محمدؐ مدینے میں تھے کیوں نہیں جنگ کر لی۔ مشرک کہے گا ہم کیا کریں، ابھی تک چچا زندہ ہے، ہم کیا کریں مکّے میں تو چچا زندہ ہے، تو جب تک چچا زندہ رہا، مشرک کی ہمت نہیں ہوئی کہ محمدؐ سے جنگ کر سکے۔ ادھر چچا گیا ادھر مشرک جنگ کے لئے آ گئے تو مدینے کے پورے لشکر نے وہ کام نہیں کیا جو مکہ میں اکیلے ابو طالبؑ نے انجام دیا۔

بس میرے دوستو، میرے عزیزو، اب بات اس منزلِ فکر سے آگے جا رہی ہے۔ میں نے بڑی زحمت دی، لیکن میں چاہ رہا ہوں۔ بھئی میرا تو یہ حق پہنچتا ہے کہ میں خاندان آل محمدؐ کے کیس کو پلیڈ کروں۔ یہ تو میرا حق ہے۔ اب تک ڈیڑھ ہزار سال کی تاریخ اسلام میں دو گروہ رہے، ایک گروہ وہ، جو خاندان محمدیہ پر اعتراض کرتا رہا۔ دوسرا گروہ جو وکیل صفائی بن کے پیش ہوتا رہا۔ ہم وہ ہیں، جو خاندان محمدؐ کے وکیلِ صفائی ہیں۔

توجہ رہے۔ اب بات ابو طالب سے آگے بڑھ کر خاندان محمدؐ پر آ گئی ہے۔ تنہا ابو طالب نے محمدؐ کی کفالت نہیں کی، عبد المطلب نے بھی کی۔ یاد ہے؟ عبد المطلب ہی نے تو ابو طالب سے وصیت کی تھی کہ میرے بعد اس کا خیال رکھنا۔ اور بڑی طویل وصیت ہے جو تاریخ کی کتابوں میں تمھیں

مل جائے گی۔ اَب ذرا تاریخ کا ایک واقعہ سنتے جاؤ۔ یہ کون ہیں عبدالمطلب؟ محمدؐ ابنِ عبداللہ ابن عبدالمطلب۔ رسول کے والد عبداللہ اور عبداللہ کے والد عبدالمطلب۔ یعنی رسول کے دادا۔ عبدالمطلب نے خانۂ کعبہ کی چہار دیواری میں نذر مانی کہ پروردگار اگر تو مجھے دس بیٹے عطا کردے تو ان دس بیٹوں میں سے ایک کو تیری بارگاہ میں قربان کردوں گا۔ دعا قبول ہوئی، دس بیٹے پیدا ہوئے۔ رسول کے والد عبداللہ کو عبدالمطلب قربان گاہ پر لے گئے۔ اور پھر عبداللہ بچ گئے۔ ہوا کیا؟ کہا بھئی قرعہ ڈالو۔ عبداللہ اور دس اُونٹ۔ قرعہ نکل آیا عبداللہ کے نام۔ کہا بھئی پھر قرعہ ڈالو۔ عبداللہ اور بیس اونٹ۔ پھر قرعہ نکل آیا عبداللہ کے نام۔ کہا، پھر قرعہ ڈالو، عبداللہ اور تیس اونٹ۔ پھر عبداللہ کے نام قرعہ نکل آیا۔ ہوتے ہوئے عبداللہ اور سو اونٹ، اب قرعہ نکلا سو اونٹوں کے نام۔ عبداللہ بچ گئے سو اونٹ قربان ہوگئے۔ اَب میں ایک سوال اٹھانا چاہ رہا ہوں۔ میں بڑا پریشان تھا کہ حضرت عبدالمطلب نے منت کیوں مانی کہ میں اپنا ایک بیٹا قربان کردوں گا۔ اور جب منت پوری ہوگئی تو قربان کیوں نہیں کرتے۔ بھئی یہ بہانہ کیوں؟ مجھے معاف کرنا ان لفظوں کے اوپر، یہ تو صرف سمجھانے کے لئے عرض کررہا ہوں۔ یہ قربانی سے فرار کیسا؟ یہ تو آپ کے خاندان کا شیوہ ہی نہیں ہے۔ آپ تو ہیں ابراہیم کے بیٹے۔ آپ کے خاندان کا رواج ہے کہ اگر خواب میں بھی بیٹے کو ذبح کرتے دیکھ لیں تو مِنیٰ کے میدان میں اسمٰعیل کو لے جائیں۔ پھر آپ یہ کیسا فرار اختیار کر رہے ہیں؟ یہ سوال قابلِ غور ہے یا نہیں؟ یا تو منت نہ مانی ہوتی اور اگر منت مان لی تھی تو قربان کردینا تھا۔ قرعہ نہیں نکالنا تھا۔ یہ قرعہ کا سبب کیا تھا؟ تو اب مجھ سے نہ پوچھنا، میں نے بہت تلاش کیا کہیں نہ ملا، بڑی بڑی کتابیں دیکھ ڈالیں، ایک کتاب "عم النبیؐ" کتاب کا نام ہے "عمّ النبیؐ" رسولؐ کے چچا۔ مصنف کا نام عبدالعزیز اہل۔ کتاب مطبوعہ قاہرہ۔ عبدالعزیز اہل کی لکھی ہوئی کتاب ہے اور قاہرہ میں چھپی ہے ــــ علامہ عبدالعزیز اہل لکھتے ہیں کہ قربان گاہ میں عبدالمطلب، عبداللہ کو لے گئے اور جیسے ہی تلوار اٹھائی عبداللہ کو ذبح کرنے کے لئے، پہلو سے نکل کے ابوطالب نے تلوار کی دھار پر ہاتھ رکھ دیا اور کہا بابا میں یہ ہونے نہیں دوں گا۔ کہا، پھر کیا کیا جاے؟ کہا، قرعہ ڈالئے۔ قرعہ ڈالا گیا، عبداللہ بچ گئے۔ تو ابوطالب نے اپنے ہاتھ کو

زخمی کر کے عبداللہ کو بچا لیا یا نہیں؟ عبداللہ پر احسان ہوا، عبداللہ کے صلب سے رسولؐ پیدا ہوئے، رسولؐ پر احسان ہوا، رسولؐ اسلام لائیں گے، اسلام پر احسان ہوا اور لوگ کلمہ پڑھ کے مسلمان بنیں گے تو مسلمانوں پر احسان ہوا یا نہیں۔؟ تو آپ سے پوچھوں کہ احسان فراموشی کے معنی کیا ہیں؟

تقریر آخری مرحلے میں داخل ہوگئی۔ ایسا احسان کرنے والا۔ تاریخ کا جملہ ہے، کیا کہا تھا مشرکین عرب نے ابوطالب سے آکر؟ ابوطالب تمہارا بھتیجہ، ہمارے خداؤں کو بُرا کہتا ہے۔ رسولؐ بتوں کو بُرا کہہ رہے تھے نہ۔ تمہارا بھتیجہ، ہمارے خداؤں کو بُرا کہتا ہے۔ یہ ایک جملہ ہی فیصلہ کرنے کے لئے کافی ہے۔ "بھتیجہ تمہارا، خدا ہمارے"۔ ابوطالب نے پیغمبرؐ تک اس پیغام کو پہنچا دیا کہ بھتیجے، ان مشرکین کا گمانِ ناقص یہ ہے کہ تم ان کے خداؤں کو بُرا کہہ کے انھیں اذیت پہنچا رہے ہو۔ پیغمبرؐ متفکر ہوئے مغموم ہوئے۔ پوچھا کہ بھتیجے یہ تمہارے چہرے پر فکر کے آثار کیا ہیں؟ کیوں فکر مند ہو؟ کہا، چچا، خدا کی توحید کا پرچم لے کر آگے بڑھ رہا ہوں اور اگر اس راہ میں رکاوٹیں آجائیں اور کوئی میرا مدد کرنے والا نہ ہو تو چچا کیا انسان مغموم نہیں ہوگا۔ کہنے لگے بھتیجے۔ خدا کی قسم یہ پورے مشرک جمع ہو کر تم تک نہیں پہنچ سکتے جب تک یہ ابوطالب زندہ ہے۔ ابوطالب نے اپنی ذات کی ذمہ داری لی کہ جب تک میں زندہ ہوں، تمھاری حفاظت کروں گا۔ وعدہ کیا تھا ابوطالب نے اپنی ذات کا لیکن حفاظت محمدؐ کے لئے پوری نسل تیار کردی۔ اب عقل حیران ہے کہ ابوطالب کو کیا کہے۔ کہا تھا کہ جب تک میں زندہ ہوں حفاظت کروں گا لیکن کیا ابوطالب کے مرنے پر حفاظت نہیں ہوئی۔ ابوطالب کا بیٹا سامنے آگیا۔ اور جب تک ابوطالب کا بیٹا رہا، محمدؐ کی بھی حفاظت رہی، دینِ محمدؐ کی بھی حفاظت رہی۔ اور کتاب محمدؐ کی حفاظت رہی۔ لیکن کیا ابوطالب کے بیٹے کے جانے کے بعد دین مِٹ گیا؟ کیا علیؑ کے جانے کے بعد دین مِٹ گیا۔ نہیں۔ ابوطالب کے بعد ابوطالب کا بیٹا علیؑ اور علیؑ کے بعد علیؑ کا بیٹا حسینؑ ـــــ"

حسینؑ تک بات آگئی۔ اور میں نے بار بار حسینؑ کا وہ جملہ کوڈ کیا ہے ـــ تلوارو آؤ۔ اگر محمدؐ کا دین میرے قتل کے بغیر نہیں بچتا تو تلوارو آؤ میرے گلے کو کاٹ دو۔ جب مدینہ سے چلے تھے تو کہا تھا کہ تلوارو آؤ میرا گلا کاٹ دو۔ اور جب عاشور کے دن حسینؑ کو دین کی غربت کا احساس ہوا تو کہنے لگے کہ اب

صرف اپنا گلا نہیں، بہتر سوکھے گلے دوں گا۔ جن میں حبیب ابنِ مظاہر کا بھی گلا ہوگا۔ حُر کا بھی گلا ہوگا، عابس ابن شبیب شاکری کا بھی گلا ہوگا ـــــ عبّاس کا بھی گلا ہوگا۔ شبیہہ رسُولؐ علی اکبر کا بھی گلا ہوگا۔ ایک چھوٹے سے بچّے کا بھی گلا دوں گا دین کی حفاظت کے لئے۔ اپنے دوستوں کے بھی گلے دوں گا۔ اپنے رشتہ داروں کے گلے بھی دوں گا اور آخر میں اپنا گلا بھی دے دوں گا۔ بس میرے دوستو۔ تقریر اس مرحلے پر رُک گئی۔ حُر کا گلا، حبیب کا گلا، عابس ابنِ شبیب شاکری کا گلا، زہیر کا گلا، مسلم ابنِ عوسجہ کا گلا۔ کس کس کے گلے گناؤں ـــــ عاشور کی صبح طالع ہوئی۔ دن چڑھا۔ ایک مرتبہ فوجِ یزید نے طے کیا کہ حسینؑ کے خیموں پر اور حسینؑ کی فوج پر تیروں کی بارش کی جائے، اُدھر سے تیر چلنا شروع ہوئے۔ اصحابِ حسینؑ میں سے ایک نے دوسرے کو دیکھا اور پکار پکار کے کہنے لگے، کہ وہ وقت آگیا جس وقت کے لئے ہم کربلا میں جمع ہوئے ہیں اگر ہماری زندگی میں کوئی تیر حسینؑ کے خیموں تک پہنچ گیا تو ہمارے زندہ رہنے کا فائدہ کیا ہے۔ کہا کیا کریں؟ کہا ایسا کرتے ہیں کہ جتنے اصحاب گھوڑے پر سوار ہیں، وہ گھوڑوں کو ملا کر حسینؑ کے خیموں کے سامنے کھڑے ہوجائیں۔ سارے اصحاب گھوڑوں کو ملا کر خیمے کے سامنے کھڑے ہوگئے۔ درمیان میں جو جگہ باقی رہی اس کے لئے طے ہوا کہ جتنے پیادے ہیں وہ ان جگہوں پر گھٹنوں کو موڑ کر بیٹھ جائیں۔ دیکھ رہے ہو جاں نثاروں کی جاں نثاری؟ گھوڑوں پر اصحاب سوار ہیں، وہ تیروں کو روک رہے ہیں۔ کچھ گھٹنوں کو موڑے ہوئے تیروں کے درمیان بیٹھے ہیں۔ وہ اپنے سینوں پر تیروں کو روک رہے ہیں جب تیر کی بارش ختم ہوئی تو حسینؑ اٹھے کہ دیکھیں ساتھیوں میں سے کون زندہ ہے، کون ساتھ چھوڑ گیا۔ حسینؑ مقتل میں گھوم پھر کے دیکھ رہے تھے کہ اتنے میں دیکھا کہ ایک لاشے کے سرہانے ایک کنیز بیٹھی ہوئی ہے جو گریہ کر رہی ہے۔ آواز دی اور پوچھا کہ تو کون ہے؟ کہا مولا میں مسلم ابن عوسجہ کی کنیز ہوں۔ یہ آپ کے مسلم کا لاشہ ہے۔ بس یہ سننا تھا کہ حسینؑ پکارے ہائے میرے دوست مسلم۔ یہ کہتے ہوئے دوڑے، مسلم کے قریب گئے۔ مسلم ابن عوسجہ کے سر کو اٹھایا اپنی گود میں رکھا۔ مسلم پر نقاہت کی غشی طاری ہے ـــ ایک مرتبہ حسینؑ نے کہا، مسلم تم پُرانے دوست ہو، مجھ سے بولتے کیوں نہیں۔ مسلم نے آنکھیں کھولیں اور کہا مولا بس ایک سوال ہے، کیا حق نصرت ادا ہوا؟ کہا کہ ہاں مسلم ادا ہوگیا۔ ایک مرتبہ آنکھیں بند کرلیں،

حبیب سرہانے موجود تھے، حبیب نے پکار کے کہا مسلم، تمھارے خیمہ میں تمھاری بیوی بھی موجود ہے تمھارا چھوٹا سا بچہ بھی موجود ہے اور حکمِ شریعت ہے کہ مرتے وقت وصیّت کی جائے تو اپنی بیوی کے لئے وصیّت کرنی ہے تو کردو۔ اپنے بچّے کے لئے کوئی وصیّت کرنی ہے تو کردو۔ ایک مرتبہ مسلم نے آنکھیں کھولیں، گوشۂ چشم سے اشارہ کیا۔ کہا حبیب، بیوی کے لئے کوئی وصیّت نہیں ہے، بیٹے کے لئے کوئی وصیّت نہیں ہے۔ میرے مظلوم مَولا کا خیال رکھنا۔ مسلم نے یہ کہا اور اس کے بعد ایک ہچکی لی ـــ دو جملے دو شخصیتوں کے زبان سے نکلے۔ مسلم نے ہچکی لے کر کہا، "اشهد ان لا الٰه الا الله" اور حسینؑ نے یہ سُنتے ہی یہ کہا "اِنَّا لله وَاِنَّا الیه راجعون"۔ گود میں مسلم کے سر کو لئے حسینؑ بیٹھے تھے کہ اتنے میں ایک خیمے کا پردہ اٹھا۔ ایک چھوٹا بچہ اس خیمہ سے باہر آیا جس کی کمر میں تلوار حمائل تھی ـــ اس صورت حال کو حسینؑ بھی دیکھ رہے ہیں، حسینؑ کے اصحاب بھی دیکھ رہے ہیں: بچّہ خیمے سے باہر آیا اور اس نے جُھک کر کسی کو سلام کیا۔ پتہ چلا کہ خیمے کے اندر کوئی موجود ہے بچّے نے جسے سلام کیا اور چلا۔ قد اتنا تھا کہ تلوار زمین پر خط دے رہی تھی۔ چلا مقتل کی طرف۔ حسینؑ نے مسلم کے سر کو زمین پر رکھ دیا اور کہا ذرا دیکھنا یہ کس کا بچّہ ہے۔ ذرا پلٹا کے لاؤ۔ لوگ دوڑتے ہوئے گئے بچّے کو گود میں لے کر حسینؑ کے پاس آئے۔ حسینؑ نے کہا، بیٹے تم کس کے فرزند ہو۔ بچّے نے کہا مولا یہ جو لاش پڑی ہے میرے بابا کی لاش ہے۔ کہا بیٹے تو پلٹ جا، تیری ماں خیمہ میں سے انتظار کر رہی ہوگی ـــ کہا مولا میں کیا کروں میری ماں ہی نے تو مقتل کی طرف بھیجا ہے، میں تو جاؤں گا۔ یہ سُننا تھا کہ حسینؑ نے ایک چیخ ماری۔ پروردگارا اب وہ زمانہ آگیا کہ چھوٹے چھوٹے بچّے حسینؑ پر رحم کھائیں لیکن فوجِ یزید میں رحم و ترس نہیں ہے۔"

(پانچویں مجلس)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

"وَالْعَصْرِ۔ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ، اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَ تَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ۔"

عزیزانِ محترم! کل ہمارا سلسلۂ گفتگو اس مقام پر رکا تھا کہ حق اس وجود کا نام ہے جو صادق بھی ہو اور یقینی بھی ہو۔ اور یہی سبب ہے کہ پروردگارِ عالم کے اسمائے حسنیٰ میں اس کا ایک نام حق بھی ہے۔ "وَیَعْلَمُوْنَ اِنَّ اللّٰہَ ھُوَ الْحَقُّ الْمُبِیْنُ" دُنیا جانتی ہے اللہ کھلا ہوا حق ہے یعنی بتانا یہ تھا کہ اللہ ایک مسلّم حقیقت ہے وہ خیال و تصوّر کی پیداوار نہیں ہے۔ اسے کسی انسانی ذہن نے تخلیق نہیں کیا بلکہ انسانی ذہن کو اس نے تخلیق کیا ہے۔ وہ ذاتِ مقدس جو حق ہے سارے حقوق اسی کے لئے مخصوص ہیں۔ بنیادی حق اللہ کا اور جب اسی نے بندوں کو خلق کیا تو بندوں کے وجود کے تقاضوں کے اعتبار سے کچھ حقوق متعیّن کئے۔ پہلا حق، حق اللہ۔ دوسرا حق، حق العباد۔ تو بنیادی حق اللہ کا ہے، ثانوی حق بندوں کا ہے۔ تو بندہ دوسرے بندوں کے ساتھ، انسان دوسرے انسانوں کے ساتھ کس قسم کے رشتے استوار کرے۔ عجیب بات کہ ہندو سماج میں انسانی حق کا کوئی تصوّر نہیں ہے۔ چین کی تہذیب میں حقوق انسانی کا کوئی تصوّر نہیں ہے، افریقہ کے معاشرے میں حقوق انسانی کا کوئی تصوّر نہیں ہے۔ حد تو یہ ہے کہ وہ دین جو الہامی ہے، یہودیت، یہودی سماج میں موسیٰ علیہ السّلام کے دو ہزار سات سو سال بعد انسانی حقوق کا تصوّر آیا۔ یعنی دین یہود میں کلیم اللہ کے گزرنے کے ستائیس سو برس کے بعد انسانی حقوق کا منشور تیّار ہوا۔ اور عیسائی سماج میں عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان پر اٹھائے جانے کے سترہ سو برس بعد انسانی حقوق کا منشور تیّار ہوا۔ اگر پہلے سے ان مذہبوں کے پاس منشور حقوق انسانی ہوتا تو کیا ضرورت تھی کہ سترہویں صدی میں حقوقِ منشورِ انسانی پر گفتگو

کی جائے۔ اور اَب تک مسلسل ہو رہی ہے۔ یہ تمھاری تہذیب ہے۔ اور میرا نبی، میرا نبی، اس نے اعلان نبوت کیا اور اعلانِ نبوت کے بعد جب کچھ کلمہ گو پیدا ہوئے تو ایک کو دوسرے کا بھائی بنا دیا تاکہ بھائی کے حقوق سامنے آجائیں۔ پیغمبرؐ نے دو مرتبہ اخوت کے نظام کو جاری کیا۔ ایک مرتبہ مکّے میں، ایک مرتبہ مدینے میں، بڑی توجہ درکار ہے اس مسئلہ نظام اخوت پر۔ ایک کو دوسرے کا بھائی بنایا۔ مکّہ میں بھی بنایا۔ مدینہ میں بھی بنایا۔ اور مدینے کی اخوت کے سلسلے میں برصغیر کے مشہور مصنّف علاّمہ شبلی نعمانی نے اپنی مشہور تصنیف سیرت النبی میں عجیب جملہ لکھا۔ دیکھو مہاجر کو مہاجر کا بھائی بنایا، ایک اخوت میں۔ مہاجر کو انصار کا بھائی بنایا دوسری اخوت میں، انہوں نے لکھا کہ پیغمبر جب مدینے میں آئے تو وہاں مہاجر موجود تھے، آچکے تھے مہاجر۔ پیغمبر مہاجرین کو پہلے سے جانتے تھے چونکہ وہ مکّے کے لوگ تھے، لیکن پیغمبر انصار سے واقف نہیں تھے۔ انصار سے ابھی ملاقات ہوئی تھی لیکن عجیب اعجاز ہے معجزہ ہے پیغمبر کی سیرت کا کہ جیسا مزاج مہاجر کا تھا اسی مزاج کے انصار کے بھائی کو ان کا حق دیا۔ عجیب جملہ ہے۔ شبلی نعمانی نے لکھا کہ پیغمبر مہاجرین سے واقف تھے انصار مدینے میں تھے۔ پیغمبر تازہ آئے ہیں، تو مہاجر کے مزاج کو تو جانتے تھے۔ لیکن انصاری کے مزاج کو نہیں جانتے تھے، لیکن پیغمبر نے جب مہاجر و انصار کو بھائی بنایا تو مزاج کو دیکھ کے بنایا۔ بھئی یہی لانا تھا کہ دونوں اخوتوں میں مکّے میں ہو یا مدینے میں پیغمبر نے علیؑ کو اپنا بھائی بنایا۔ یعنی مزاج علیؑ اگر مزاج نبوت نہ ہوتا تو بھائی نہ بناتے۔

میری بات میرے محترم سُننے والوں تک پہنچ رہی ہے؟ تو آرام سے سنتے جانا، مہاجر کو مہاجر کا بھائی بنایا، انصار کو انصار کا بھائی بنایا، عجیب و غریب بات ہے جو ہدیہ کر رہا ہوں۔ اچھّا تو جب مہاجر کو انصار کا بھائی بنا دیا، تو مہاجر کو مہاجر کا بھائی بنانے کی کیا ضرورت تھی؟ مہاجر کو مہاجر کا بھائی کیوں بنایا؟ تو بات یہ تھی کہ جو لوگ مکّہ چھوڑ کے مدینے گئے تھے، تو باپ مکّے میں رہ گیا بیٹا مدینے پہنچ گیا۔ ایک بھائی مکّہ میں رہ گیا دوسرا بھائی مدینے پہنچ گیا تو خاندان تقسیم ہو گئے، پیغمبر نے ایک مہاجر کو دوسرے مہاجر کا بھائی اس لئے بنایا کہ مرنے والے مہاجر کی میراث اسے مل سکے۔

اس لئے کہ ان کے وارث تو مکّے میں رہ گئے۔ توجہ رکھئے گا۔ تو پیغمبرؐ نے وراثت کے لئے بھائی بنایا۔ تو میں ہاتھ جوڑ کے پوچھوں کہ یا رسول اللہؐ یہ آپ علیؑ کو بھائی کیوں بنا رہے ہیں ــــ اس لئے کہ نبی نہ وراثت لیتا ہے نہ وراثت دیتا ہے۔ مجھے پوچھنے کا حق ہے کہ یا رسول اللہ آپ نے علیؑ کو بھائی کیوں بنایا؟ نبی کی وراثت تو ہوتی نہیں، لیکن بھائی بنایا۔ بھائی بنایا تو مہاجر کا بھائی مہاجر، مہاجر کا بھائی انصار، انصار کا بھائی مہاجر۔ پیغمبرؐ نے مختلف رشتے پیدا کئے، مختلف حقوق کا تعارف کرایا ــــ اَب جملہ سنو گے؟ مکہ جب فتح ہوا اور فتح مکّہ کے بعد پیغمبرؐ نے اعلان کیا کہ وہ جو اخوت کا حکم ہم نے دیا تھا وہ ہم آج سے منسوخ کر رہے ہیں۔ دیکھو کیا کمال کی بات ہے۔ یعنی جب بھائی بنایا تو مرنے والے بھائیوں کا ترکہ زندہ بھائیوں کو مِل رہا تھا اور اب فتح مکہ کے بعد پیغمبرؐ نے اعلان کیا کہ اب آج سے حکم اخوت منسوخ۔ اب کوئی بھائی کسی بھائی کی میراث نہیں پائے گا، آج سے کوئی کسی کا بھائی نہیں۔ توجہ رہے۔ تو ساری اخوتیں منسوخ کر دیں پیغمبرؐ نے، سوائے علی کے۔ سب تھے نہ، فلاں فلاں کا بھائی ہے، فلاں، فلاں کا بھائی ہے، فلاں، فلاں کا بھائی ہے، پیغمبرؐ فتح مکہ کے موقع پر کہہ رہے ہیں کہ آج سے اخوتیں ختم کر دیں، آج سے میں نے حکم اخوت منسوخ کر دیا۔ اب یہ جملہ میں کہہ رہا ہوں کہ سوائے علی کے۔ تو اب تمھیں حق ہے نہ کہ دلیل پوچھو کہ جب سب کی اخوت منسوخ ہو گئی تو یہ علی بھائی کیسے رہ گئے۔ تو جملہ سنو۔ رسولؐ نے کہا تھا، یا علی۔ "اَنْتَ اَخِی فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ" علی تم میرے بھائی ہو دُنیا میں بھی اور آخرت میں بھی یعنی اب یہ اخوت دُنیا سے آخرت تک جائے گی۔ اتنا اصرار کیوں ہے بھائی ہونے پر؟ یہ رسولؐ کو اتنا اصرار کیوں کہ علی میرا بھائی ہے؟ نہیں خدا کی قسم اصرار ہے۔ علی نے کہا۔ "اَنَا عَبْدُ اللّٰہِ وَاَخُوْ رَسُوْلِہٖ" میں اللہ کا بندہ ہوں محمدؐ کا بھائی ہوں۔ تو رسول کو بھی اصرار ہے علی کو بھی اصرار ہے۔ نہیں ــــ خدا نے کہا ہجرت کی رات کو اگر یاد ہو میرے سننے والوں کو، کہا جبرئیل و میکائیل ادھر آنا۔ ہجرت کی رات علی بستر پر سو رہے ہیں۔ کہا جبرئیل و میکائیل ہم نے تم کو ایک دوسرے کا بھائی بنایا۔ یہ اللہ کہہ رہا ہے کہ ہم نے تمھیں ایک دوسرے کا بھائی بنایا ہے، کیا تم میں سے کوئی تیار ہے کہ دوسرے کے اوپر اپنی جان نثار کر دے کہا پروردگار تو نے پوچھا ہے حکم تو نہیں دیا۔ کہا نہیں پوچھا ہے؟ کہ کیا

تم سے کوئی تیار ہے کہ اپنے دوسرے بھائی پر جان نثار کر دے؟ کہا پروردگار ہم چاہتے ہیں کہ زندہ رہیں تاکہ تیری زیادہ سے زیادہ عبادت کر سکیں، کہا ایک بھائی تم ہو کہ دوسرے کے لئے جان دینے کو تیار نہیں ہو۔ اور ایک اس بھائی کو دیکھو کہ بڑا بھائی غار ثور میں ہے، چھوٹا بھائی لیٹا ہوا بستر پر اس کی جان کی حفاظت کر رہا ہے۔ تو خدا نے کہا محمد اور علی بھائی۔ محمد نے کہا میں اور علی بھائی، علی نے کہا میں اور محمد بھائی۔ یہ بھائی ہونے پر اِتنا اصرار کیوں ہے؟ توجّہ رکھنا۔ یہ اصرار اس لئے ہے کہ اگر دو بھائی ہوں تو وراثت برابر سے ملے گی، قرآن ہے اللہ کی وراثت، محمدؐ کو بھی ملے گی علیؑ کو بھی ملے گی۔ ایک کتاب لائے گا دوسرا حفاظت کرے گا ــــ تو بھائی بنایا، حقوق کا اعلان تھا۔ کیا بھول گئے حجۃ الوداع کے خطبے کو جسمیں پیغمبرؐ نے جو خطبہ دیا حقوق انسانی کا پورا منشور بیان کر دیا ہے، کسی مرحلے پر عرض کروں گا۔ پورا منشور بیان کیا اور علی نے نہج البلاغہ میں حق کے سلسلے میں آواز دی اور فرمایا۔ صاحبِ عزت میری نگاہ میں اس وقت تک ذلیل ہے جب تک وہ حقدار کو حق نہ دے دے۔ تو حق نہ دینے والا اپنے کو صاحب عزت نہ سمجھے۔ یہ علیؑ بول رہے ہیں، صاحبِ عزت میری نگاہ میں اس وقت تک ذلیل ہے جب تک وہ حقدار کو حق نہ دے دے۔ اور ذلیل میری نگاہ میں صاحب عزّت ہے جب تک اسے حق نہ ملے۔ حق کی اہمیت دیکھ رہے ہو؟ علیؑ نے حق کے مقصد کی بات کی کہ حق کا مقصد کیا ہے؟ حق کا مقصد یہ ہے کہ حقدار کو مِل جائے۔ اب جب حقوق پر بات ہوئی تو پوری دُنیا دو حصّوں میں تقسیم ہو گئی ــــ مشرق اور مغرب کی دُنیا دو حصّوں میں بَٹ گئی۔ ایک حصّہ نے کہا، یہ زمین پوری انسانیت کا حق ہے۔ ایک گروہ نے کہا یہ زمین پوری انسانیت کا اشتراکی حق ہے کسی کی ملکیت نہیں ہے۔ یہ تصوّر مشرق سے آیا۔ پھر سُننا۔ یہ زمین پوری نسل انسانی کا حق ہے۔ اس پر کسی کی ملکیت نہیں ہو گی۔ اس کی دلیل میں کہا کہ یہ ہوا جس میں تم سانس لے رہے ہو، کیا یہ کسی کی مخصوص ملکیت ہے؟ کہ ہر آدمی اپنے لئے تھوڑی سی ہوا خرید کے رکھ لے۔ ہوائیں، فضائیں، سمندر، پانی، درخت کسی کی ملکیت نہیں۔ اسی طرح سے زمین کسی کی ملکیت نہیں ہو گی۔ اسٹیٹ کی ملکیت ہو گی۔ یہ ہے اشتراکیت کا نظریہ۔ دیکھو اشتراکیت کا نظریہ رکھنے والوں نے عقل کی دلیل دی۔ اور اب مغرب والے جو انفرادیت کو پسند کرتے تھے، انہوں نے کہا انسان میں ملکیت کا عنصر فطری ہے، بچّہ اپنا

کھلونا کسی دوسرے کو نہیں دیتا۔ اسے بھی یہ احساس ہے کہ یہ میری ملکیت ہے۔ تو اللہ نے چونکہ انسان کی فطرت میں ملکیت رکھی اس لئے ہم زمین کے وارث ہو سکتے ہیں۔ تو مشرق نے کہا زمین کو اشتراکی بنادو۔ مغرب نے کہا زمین کو انفرادی بنادو۔ کچھ سوچا۔ یہ ہوا کیا؟ زمین کے حق میں جھگڑا ہو رہا ہے، ایک کہہ رہا ہے کہ اشتراکی بنادو، دوسرا کہہ رہا ہے نہیں، انسان کو حق ہے کہ زمین کو ذاتی ملکیت میں رکھے۔ تو عجیب بات ہے جھگڑ رہے ہیں، کس بات پر جھگڑ رہے ہیں، زمین کی تقسیم پر۔ اور پیدا ہوئے زمین سے، کمال کردیا، زمین پر جھگڑا کر رہے ہو اور خود پیدا ہوئے ہو زمین سے۔ تو جس سے پیدا ہوئے ہو اس کی تقسیم میں تمہارا کیا اجارہ؟ تو اسلام نے پلٹ کر کہا کہ ہم فطرت اور عقل میں توازن قائم کریں گے۔

اور پہلے اسلام نے اور قرآن نے یہ سمجھانے کی کوشش کی کہ اپنے حق ملکیت سے پہلے ایک مالک کی مالکیت کا اعلان کرو۔ ایک مالک کی مالکیت کا اعتراف کرو۔ آواز دی سورۂ حدید میں "اٰمِنُوْا بِاللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ وَاَنْفِقُوْا مِمَّا جَعَلَکُمْ مُّسْتَخْلَفِیْنَ فِیْہِ۔" ایمان لاؤ اللہ پر، ایمان لاؤ رسول پر اور ہم نے جس مال میں تمھیں اپنا نمائندہ بنایا ہے اس مال کو خرچ کرو۔" تو خرچ کرنے پر اعتراض نہیں ہے فقط اس بات پر اعتراض ہے کہ حق ان سے الگ ہو کے نہ خرچ کرو۔ مستخلف، ہم نے تمھیں مال کا خلیفہ بنایا تو جس کو مال کی نمائندگی دی جائے وہ مستخلف، اور جسے اقتدار کی نمائندگی دی جائے وہ خلیفہ۔ مستخلف اور خلیفہ کا فرق سمجھ میں آیا؟ جسے مال کی نمائندگی دی جائے کہ تم یہ مال خرچ کرو، وہ ہے مستخلف، اللہ کی طرف سے۔ اور جسے اقتدار کی نمائندگی دی جائے کہ ہماری طرف سے اقتدار تم اپنے قابو میں لے لو، اس کا نام ہے خلیفہ۔ کچھ یاد آیا، "اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَۃ"، میں زمین پر ایک خلیفہ بنانے والا ہوں، بے اختیار فرشتے چیخ پڑے، پروردگار اسے خلیفہ بنائے گا جو زمین میں فساد پیدا کرے گا۔ پروردگار، ہم تیری عبادت کرتے ہیں، تیری تسبیح کرتے ہیں، تیری تقدیس کرتے ہیں تو ہمیں چھوڑ کے اسے بنا رہا ہے۔ اللہ نے کہا کہ جو میں جانتا ہوں وہ تم نہیں جانتے ــــــ توجہ رہے۔ فرشتے کا اعتراض کیا ہے؟ یہ جو زمین پر خلیفہ بنایا جانے والا ہے یہ خوں ریزی کرے گا۔ یہ فساد کرے گا۔ فرشتہ خوں ریزی کو پسند تو نہیں کرتا نہ؟ اچھا، کوئی بھی شریف انسان خوں ریزی کو پسند نہیں کرتا، فرشتہ تو فرشتہ

ہے کیا ہم اور آپ خوں ریزی کو پسند کرتے ہیں، نہیں پسند کرتے۔ تو اللہ نے کہا میں زمین پر خلیفہ بناؤں گا، فرشتے نے کہا، خوں ریزی کرے گا تو فرشتے کے اعتراض کے جواب میں اللہ نے یہ نہیں کہا کہ خوں ریزی نہیں کرے گا۔ اللہ نے کہا، جو میں جانتا ہوں وہ تم نہیں جانتے۔ تو جس فرشتے نے آدم کی خلافت کے وقت خوں ریزی پر اعتراض کیا تھا وہی فرشتہ چلا اور احد کے میدان میں کہنے لگا۔ "لَا فَتٰی اِلَّا عَلِی لَا سَیْفَ اِلَّا ذُوالْفَقَار" یعنی مجاہد کی بھی تعریف کر رہا ہے، مجاہد کی تلوار کی بھی تعریف کر رہا ہے۔ کل تم کہہ رہے تھے کہ خوں ریزی بُری شے ہے یہ آج تلوار کی تعریف کیوں کر رہے ہو۔ تو بتانا یہی تھا کہ تلوار فاسق کے ہاتھ میں فاسق ہے، معصوم کے ہاتھ میں معصوم ہے۔

بہت تیزی کے ساتھ گزر رہا ہوں، جب مستقبل سمجھ میں آگیا تو اب خلیفہ کو سمجھ کر جاؤ"۔ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْض خلیفہ"، میں زمین پر خلیفہ بنانے والا ہوں۔ اچھا کتنے دنوں کے بعد بنایا؟ اس اعلان کے کتنے دنوں بعد؟ قرآن میں تو کہیں کوئی تذکرہ نہیں ہے۔ لیکن حدیثوں میں ہے کہ ساڑھے چودہ ہزار سال بعد آدم کو بنایا ہے۔ اچھا تو کب کیا اعلان، اعلان کب کیا؟ آدم کے بننے کے ساڑھے چودہ ہزار سال پہلے۔ اب یہ کون سا سال ہے کچھ نہیں معلوم اللہ جانے اللہ کا رسولؐ جانے۔ حدیثوں میں ہے کہ اعلان کیا، میں خلیفہ بناؤں گا اور بنایا ساڑھے چودہ ہزار برس بعد، تو اب میں سوال کروں۔ پروردگار! جب بناتا تو اعلان کر دیتا، یہ ساڑھے چودہ ہزار برس پہلے اعلان کی ضرورت کیا تھی۔ جب بناتا تو کہتا سجدہ کرو۔" خالق کا کوئی عمل مصلحت سے خالی نہیں ہوتا، اللہ اعلان کر کے فرشتوں میں ایک سنجیدہ حالتِ انتظار پیدا کرنا چاہتا ہے۔" کہ فرشتے آنے والے خلیفہ کا انتظار کریں۔ یہی سبب ہے کہ حدیث کی کتابوں میں لکھا ہوا ہے کہ جب آدم کا پُتلا بن رہا تھا تو فرشتے بڑے احترام سے گزرتے تھے اور یہ کہتے ہوئے گزرتے تھے کہ یہی ہے وہ جو زمین پر اللہ کا خلیفہ بننے والا ہے۔ اور جب ابلیس گزرتا تھا تو تمسخر کرتا ہوا، مذاق اُڑاتا ہوا کہ اس مٹی کے پُتلے کو خلیفہ بنانے والا ہے۔ تو اب دونوں کردار غیبت نے بتلا دئے، ایک وہ ہیں جو سنجیدہ انتظار کریں گے اور ایک وہ ہیں جو مذاق کریں گے۔ جو مذاق کریں وہ ابلیس کے پیرو جو انتظار کریں وہ فرشتوں کے پیرو ــــ" بات پہنچی سُننے والوں تک کہ۔ پھر سُنو۔

"انی جاعلٌ فِی الارض خَلیفۃً" "میں زمین پر خلیفہ بنانے والا ہوں۔ اب مجھے اجازت دو تو میں پہلی تقلید پر واپس جاؤں۔" "اِن تَرَکَ خَیرَا الوَصِیَّۃَ" "پہلی اور دوسری تقلید، اگر کوئی خیر چھوڑے تو وصیّت کرے اور پیغمبرؐ نے فرمایا۔" انی تارکٌ فی کم الثقلین" "میں چھوڑ کے جارہا ہوں۔ جاعلٌ کے معنی بنانے والا" "تارک" "کے معنی چھوڑ کے جانے والا۔ بھئی عجیب مسئلہ ہے کہ پیغمبرؐ نے جانشین بنائے نہیں، پیغمبر چھوڑ کے گئے ہیں۔ بناتا اللہ ہے تو حق رسول کو نہ ملا وہ تمھیں کیسے مل جائے گا۔

پروردگار اسے خلیفہ بنائے گا جو فساد کرے گا، خوں ریزی کرے گا جب کہ ہم تیری عبادت کرتے ہیں، تیری تسبیح کرتے ہیں، تیری تقدیس کرتے ہیں، کہا کہ "چپ ہو جاؤ"، جو میں جانتا ہوں وہ تم نہیں جانتے۔ یہ جواب نہیں ہے، فرشتوں کو خاموش کیا ہے پروردگار عالم نے۔ تو اللہ اگر جواب دیتا تو پھر وہ سوال کرتے، پھر وہ جواب دیتا، پھر وہ سوال کرتے، پھر وہ جواب دیتا، پھر وہ اپنا مشورہ دیتے۔ تو اللہ کو خلافت کُلّی پسند ہے، شوریٰ پسند نہیں ہے۔" "اِنی اعلم مالا تعلمون" "خاموش ہو جاؤ۔ جو میں جانتا ہوں وہ تم نہیں جانتے۔ اب اس کے بعد پتہ ہے اللہ نے کیا کیا؟ اللہ نے سارے نام آدم کو سِکھلا دئے۔ پھر جن کے نام تھے انھیں ملائکہ کے سامنے پیش کیا اور کہا فرشتو! ذرا بتاؤ تو یہ لوگ ہیں کون؟ بہت توجہ رہے۔ اللہ نے کچھ شخصیتوں کے نام سکھلائے، کچھ شخصیتوں کے نام آدم کو سکھلا دئے۔ پھر ان شخصیتوں کو فرشتوں کے سامنے پیش کیا، فرشتوں سے کہا بتاؤ یہ کون لوگ ہیں۔ تو اللہ پوچھ رہا ہے فرشتوں سے، فرشتو، بتاؤ یہ کون لوگ ہیں۔ اور ہزاروں سال بعد فرشتے پوچھ رہے ہیں اللہ سے کہ یہ کون لوگ کساء کے نیچے ہیں؟ کیا سچویشن پلٹ گئی، کیا صورتِ حال بدل گئی؟ کل اللہ نے کہا بتاؤ یہ کون لوگ ہیں اور آج فرشتہ پوچھ رہا ہے پروردگار بتا دے یہ ہیں کون؟ تو بھئی سمجھ میں آیا کہ کبھی اللہ پوچھے، کبھی فرشتے پوچھیں، یہ مسئلہ کیا ہے؟ تو جب اللہ کو فضائل سُننے کا موقع ملا تو فرشتوں سے پوچھ لیا، جب فرشتوں کو خواہش ہوئی اللہ سے پوچھ لیا۔"

"یارَبِّ وَمَن تحت الِکساء" "فرشتہ پوچھ رہا ہے، پروردگار یہ ہیں کون؟ یاد ہے نہ حدیث کساء کا واقعہ؟ پروردگار یہ کون ہیں؟ خواہش ہے نہ کہ اللہ تعارف کرائے کہ یہ کون ہیں؟ رُکے رہنا۔ فرشتہ

پوچھ رہا ہے یہ کون ہیں۔ اچھا، کس نے پوچھا، جبرئیل نے۔" یارب ومن تحت الکساء" "کس نے پوچھا، پروردگار یہ چادر میں ہیں کون؟ اچھا، نہیں پہچانتے جبرئیل کہ کون ہیں۔ نہیں پہچانتے تھے کہ یہ کون ہیں؟ تو بس ہمارے ذاکرین جو پڑھتے ہیں کہ چونکہ جبرئیل نے پنجتن کو ایک ساتھ نہیں دیکھا تھا۔ تو چوں کہ اتنے سارے نور جمع ہو گئے تھے کہ جبرئیل کی آنکھیں چکاچوندھ کرنے لگیں، خیرہ ہوئیں ٹھیک۔ پڑھا جاتا ہے کہ نہیں لیکن میں اس صورتِ حال کو مزید تبدیل کرنا چاہ رہا ہوں۔ جبرئیل نے تنہا محمدؐ کو دیکھا، تنہا فاطمہؑ کو دیکھا، کبھی علیؑ کو دیکھ لیا، کبھی حسنؑ کو دیکھا، کبھی حسینؑ کو دیکھ لیا۔ آج ایک ساتھ دیکھ رہے ہیں تو ان کی آنکھوں میں روشنی خیرہ کر رہی ہے۔ یہ کہا جاتا ہے، اس لئے گھبرا کے پوچھا کہ کون ہیں۔ اَب میں پوچھوں۔ جبرئیل، جب پیدا ہوئے تھے تو کیا ایک ساتھ چودہ نوروں کو نہیں دیکھا تھا عرش پر۔ اس وقت تو آنکھوں میں خیرگی پیدا نہیں ہوئی؟ تو پھر کوئی نہ کوئی سبب تو ہے، جبرئیل جان رہا ہے۔ تو کوئی نہ کوئی سبب تو ہے۔ تو ہمیشہ سوال لاعلمی کو دور کرنے کے لئے نہیں ہوتا۔ سُننا۔ میں کوئی سوال کروں؟ آپ نے جواب دے دیا۔ میرے علم میں اضافہ ہو گیا۔ تو ہمیشہ سوال لاعلمی کے دفع کرنے کے لئے نہیں ہوتا ہے۔ کبھی کبھی سوال کا مقصد کچھ اور ہی ہوتا ہے۔ بتاؤں؟ جاؤ قرآن کی تاریخ دیکھو،" موسیٰ یہ تمھارے ہاتھ میں کیا ہے؟ ہاتھ میں تھا موسیٰ کے عصاء۔ اور اللہ پوچھ رہا ہے موسیٰؑ تمھارے ہاتھ میں کیا ہے؟ کیا اللہ کو نہیں معلوم کیا ہے؟ توجّہ رہے، اللہ کا سوال ہے، موسیٰؑ، یہ تمھارے داہنے ہاتھ میں کیا ہے؟ داہنے ہاتھ میں تھی موسیٰؑ کے چھڑی، انہوں نے کہا عصاء۔ کہنے لگے، پروردگار یہ میرا عصاء ہے: میں اس پر تکیہ کرتا ہوں، مَیں اس سے بکریوں کو چُراتا ہوں، میں اس سے سایہ کرتا ہوں، چادر تان لیتا ہوں اس کے اُوپر، اور بہت سے کام لیتا ہوں اس عصاء سے۔" بھئی اللہ نے پوچھا کیا ہے؟ اور آپ پوری داستان سنانے بیٹھ گئے ـــــ بھئی اللہ نے صرف اتنا پوچھا کہ موسیٰ تمھارے ہاتھ میں یہ کیا ہے۔ بس اتنا کہہ دو کہ یہ عصاء ہے بات ختم ہو گئی۔ یہ کیا کہ میں اس سے بکریاں چَراتا ہوں، ٹیک لگاتا ہوں، خیمہ بنا کر اس کے نیچے آرام کرتا ہوں اور دوسرے کام بھی اسی عصاء سے لیتا ہوں۔ یہ داستان بتانے کی ضرورت کیا تھی۔ تو بات یہ ہے کہ عصاء تھا موسیٰ کو محبوب، بہت پسند تھا موسیٰ کو تو اللہ نے پوچھا کیا ہے؟ تا کہ حبیب سے

محبوب کی فضیلت سُننے کا موقع مِل جائے ـــــ جبرئیل نے پوچھا، چادر میں کون ہیں؟ تاکہ حبیب سے محبوب کے فضائل سُننے کا موقع مِل جائے۔

میں پھر واپس جارہا ہوں۔ تو ایک ہے خلیفہ، ایک ہے مستخلف۔ جیسے مال میں نمائندہ بنایا جائے، جیسے مال میں نمائندگی دی جائے اسے قرآن کی اصطلاح میں مستخلف کہتے ہیں۔ اللہ جسے اقتدار کی نمائندگی دے اسے قرآن کی زبان میں خلیفہ کہتے ہیں۔ بھئی عجیب ہے تمھارا پروردگار پہلے، اس کی مالکیت کے حق کو تسلیم کرو۔ اور جب تم نے اس کے حق مالکیت کو تسلیم کرلیا تو اب زمین کو بھی استعمال کرو، سمندر کو بھی استعمال کرو، درخت کو بھی استعمال کرو۔ عجیب بات ہے، مالکیت اس کی اور اس نے تمھیں نمائندہ بنایا ہے۔ یہی سبب ہے کہ جب قبر میں چلے گئے زمین نہیں پہچانتی کہ اس میں وزیر اعظم کون ہے، کسان کون ہے۔ جب قبر میں چلے گئے تو زمین نہیں پہچانتی کہ صدر مملکت کون ہے، مزدور کون ہے۔ یعنی زندگی میں ہزاروں ایکڑ کے مالک تھے لیکن ایک گز زمین کے ٹکڑے کے فشار سے نہ بچ سکے۔ تو پہلے اللہ کی مالکیت کو تسلیم کرو۔ بس اس سے زیادہ زحمتِ سماعت نہیں دوں گا۔ کیا شانِ کریمی ہے اللہ کی جب تم اس کی اطاعت کروگے، تمھیں مالک رکھے گا۔ اور جس دن تم نے اللہ کی اطاعت سے انکار کیا تمھاری ملکیت کو ختم کردے گا۔ جنّت اس نے احسان میں دی ہے۔ اگر احسان کا فلسفہ ذہن میں محفوظ ہو۔ جنّت اس نے بدلے میں نہیں دی۔ جنّت اس نے احسان میں دی تھی آدم کو۔ کس دن اللہ تمھیں اس زمین سے نکال دے کچھ پتہ نہیں، اس لئے کہ زمین ملی ہے تمھیں احسان میں۔ زمین دی ہے اللہ نے۔ تم نے کوئی کام کیا تھا اس کے بدلے میں زمین دی ہے؟ نہیں۔ تو زمین دی اللہ نے احسان میں۔ جب چاہے زمین کو چھین لے، بھئی جنّت بھی تو آدم کو احسان میں دی تھی۔ نکال دیا یا نہیں۔ تو یہ عجیب متضاد بات ہے احسان میں جنّت دی تھی، آدم کو نکال دیا۔ اور وہی اللہ مومنین کے لئے قرآن میں کہتا ہے کہ وہ ہمیشہ ہمیشہ جنّت میں رہیں گے۔ کیا بات ہوئی؟ آدم کو پیدا کیا جنّت میں نکال دیا۔ اور مومنین کے لئے کہہ رہا ہے۔ "خَالِدِيْنَ فِيْهَا اَبَدًا"، ہمیشہ ہمیشہ مومنین جنّت میں رہیں گے۔ تو کوئی فرق ہے؟ جس کو احسان میں جنّت دیتا ہے اس کو نکال بھی دیتا ہے اور مومنین کو

احسان میں نہیں دے رہا ہے۔ مومنین کو جنّت بیچی ہے اور مومنین نے اس کے بدلے میں جان دی ہے۔ مال دیا ہے۔ تو جو چیز احسان میں ملے وہ چھینی جاسکتی ہے، جو چیز خریدی جائے وہ چھینی نہیں جاسکتی۔ علی کو مرضی احسان میں نہیں ملی۔ نفس کے بدلے میں علی نے مرضی خریدی ہے۔ علی کو اللہ نے اپنی مرضی احسان میں نہیں دی علی نے نفس بیچ کر اس کی مرضی خریدی ہے تو اب قیامت تک اللہ کی مرضی علیؑ کے پاس رہے گی۔ تو ہجرت سے پہلے اگر دعا کرتے کہ اللہ راضی ہوجائے تو شائد راضی بھی ہوجاتا لیکن اب کیا ہوگا مرضی تو علیؑ کے پاس ہے اگر اسے راضی کرنا ہے تو علیؑ کو راضی کرو۔

مرضی جاگیر ہے خاندان محمدؐ و آل محمدؐ کی۔ صرف علیؑ کا مسئلہ نہیں ہے۔ کیا بھول گئے کہ پروردگار نے کہا، "وَلَسَوْفَ يُعْطِيْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى"، حبیب، ہم تمھیں اتنی نعمتیں دیں گے کہ تم ہم سے راضی ہوجاؤ گے۔ اللہ کو محمدؐ کی مرضی درکار ہے۔ اللہ فاطمہؑ کی مرضی پر راضی ہے اور علیؑ ایک بندہ جس نے نفس بیچا مرضی لے لی۔ وہ رسُولؐ کی بیٹی یہ رسولؐ کا داماد اور اَب حسینؑ واپس آجا۔ اس کیفیت میں واپس آجا کہ تو اپنے رب سے راضی ہو اور تیرا رب تجھ سے راضی ہو۔

تقریر تمام ہوگئی۔ عجیب معیار بندگی ہے حسینؑ کا۔ حسینؑ آجا۔ اس کیفیت میں آجا کہ تیرا رب تجھ سے راضی ہو ـــــ اور تو اپنے رب سے راضی ہو۔ بھئی کیسے رَب راضی نہ ہو، گردن دے دی اللہ کی راہ میں چادریں دے دیں اللہ کی راہ میں ـــــ شانے کٹوا دئے اللہ کی راہ میں، بھائی دے دیا اللہ کی راہ میں۔ بیٹے دے دئے اللہ کی راہ میں۔ کربلا کے میدان میں حسینؑ نے تین بیٹے دئے ہیں اللہ کی راہ میں۔ اکبرؑ، اصغرؑ، محمّد ابنِ حسین ـــــ اکبر سے واقف ہو، اصغر سے واقف ہو لیکن محمّد ابنِ حسین کا تذکرہ تم نے کم سُنا ہوگا۔ چھوٹا سا بچّہ ہے، جب خیموں میں آگ لگی اور فوج یزید درّانہ خیموں میں داخل ہوئی تو راوی کہتا ہے کہ ایک چھوٹا سا بچّہ جس کا چہرہ چاند کی طرح چمک رہا تھا، خیموں میں گھبراتا ہوا بھاگ رہا تھا، اتنے میں فوجِ یزید کے ایک سپاہی نے چوب خیمہ کھینچی، سر پر وار کیا، بچّہ وہیں شہید ہوگیا۔ حسینؑ نے صرف بڑے ہی خدا کی راہ میں نہیں دیے، بچّے بھی خدا کی راہ میں دئے ہیں۔ یہ ایک بچّہ، اب دوسرا بچّہ تاریخِ کربلا کا۔ خیموں میں آگ لگی ہے۔ حمید ابن مسلم کہتا ہے کہ جب خیموں میں آگ لگی تو

میری نگاہ نے ایک منظر دیکھا کہ چار یا پانچ سال کا ایک بچہ جس کے کانوں میں گوشوارے پڑے ہوئے تھے۔ سبز کرتا تھا اور کرتے کے دامن میں آگ لگی ہوئی تھی، وہ گھبرایا ہوا میدان میں بھاگ رہا تھا، میں دوڑتا ہوا گیا کہ کہیں یہ بچہ جل کے نہ مر جائے۔ جب میں قریب گیا تو میں نے اپنے ہاتھوں سے بچے کے کرتے کی آگ بجھا دی تو ایک مرتبہ بچے نے مہربان پاکر مجھ سے صرف اتنا کہا اے شیخ، مجھے ذرا نجف کا رستہ بتلا دے۔ ایک بچے کا تذکرہ میں اور کروں گا لیکن ذرا ایک جملہ اور سنتے جاؤ۔ یہ جس بچے کا میں نے واقعہ بیان کیا، صاحبانِ دل سے میں۔ کیا عمر ہے چار یا پانچ سال کی۔ چار یا پانچ سال کی عمر ہے مقتل میں اس کا نام نہیں ہے۔ زندگی گزر رہی ہے مقتلوں کو پڑھتے ہوئے مقتل کی کتابوں میں اس بچے کا نام نہیں ہے کہ وہ چار پانچ سال کا بچہ کون تھا، جس کے کرتے کے دامن میں آگ لگ گئی تو میں نہیں جانتا کہ وہ بچہ کون تھا۔ لیکن میں اتنا جانتا ہوں کہ عاشور کے دن کربلا کے میدان میں میرے پانچویں امام کی عمر پانچ سال کی تھی ——— مجھے کچھ نہیں معلوم ——— اے شیخ مجھے نجف کا راستہ بتلا دے، کہا صاحبزادے نجف جا کے کیا کرو گے؟ کہا تجھے نہیں معلوم وہاں میرے دادا کی قبر ہے، میں دادا کی قبر پر لیٹ جاؤں گا، کہوں گا کہ دادا تم تو آرام سے سو رہے ہو، کربلا میں چل کے ذرا صورتِ حال دیکھو۔ بس آپ نے گریہ کیا۔ وہ بچہ محمد ابنِ حسین، یہ بچہ شائد ہمارا پانچواں امام۔ اور اب ایک بچہ، امام حسنؑ کی دوسری نشانی عبداللہ ابن حسنؑ، دس سال کا بچہ، جب حسینؑ گھوڑے سے زمین پر آئے اور فوجِ یزید میں نوبتیں بجنے لگیں، شادیانہ بجنے لگا فتح کا تو اس وقت بچہ گھبرا کر خیمہ سے باہر نکلا۔ شہزادی زینبؑ نے دوڑ کر بچے کو پکڑا لیکن وہ بچہ نکل گیا اور بھاگتا ہوا مقتل میں آیا، حسینؑ کے قریب پہنچا، یہ وہ وقت ہے، جب قاتل تلوار اٹھا چکا ہے حسینؑ کو قتل کرنے کے لئے۔ ایک مرتبہ بچے کی سمجھ میں کچھ نہ آیا، دونوں ہاتھ آگے کر دئے۔ بچے کے دونوں ہاتھ کٹے۔ ایک مرتبہ آواز دی، چچا میری خبر لیجیے۔ حسینؑ نے غش سے آنکھیں کھولیں، بچے کو گود میں لے لیا، اب قاتل چاہتا ہے کہ تلوار کا وار کرے، بچے تک تلوار پہنچ نہیں سکتی ایک مرتبہ حرملہ نے تیر جوڑا۔ اور اب وہی جملہ جو اصغر کے لئے ہے، بچہ حسینؑ کے ہاتھوں پر منقلب ہو گیا۔

———※———

(چھٹی مجلس)

بِسمِ اللّٰہِ الرَّحمٰنِ الرَّحِیْمِ

"وَالعَصرِ اِنَّ الاِنسَانَ لَفِی خُسرٍ ۔ اِلَّا الَّذِینَ اٰمَنُوا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَ تَوَاصَوا بِالحَقِّ، وَتَوَاصَوا بِالصَّبرِ۔"

عزیزانِ محترم۔ انسان معاصر اور قرآن کے عنوان سے ہم نے جس سلسلۂ کا آغاز کیا ہے وہ سلسلۂ گفتگو اپنے چھٹے مرحلے میں داخل ہو رہا ہے۔ انسان ایک ایسی مخلوق ہے جو بستیاں بسا کے رہتی ہے۔ انسان ایک ایسا جاندار ہے جو تنہائی پسند نہیں کرتا۔ اپنے جھنڈ سے بچھڑا ہوا بھیڑیا اپنی زندگی گزار سکتا ہے۔ اپنے گروہ سے الگ ہونے والا ہرن اپنی زندگی گزار سکتا ہے لیکن اپنے معاشرے اور اپنے خاندان سے کٹ کے رہنے والا انسان زندہ نہیں رہ سکتا۔ یہی سبب ہے کہ جب اسلام نے رسولِ اسلام نے انسانیت کے حقوق معین کئے تو ایک قوم کا دوسری قوم پر حق کیا ہے اس پر گفتگو کی۔ ایک فرد کا دوسری فرد پر حق کیا ہے اس پر گفتگو کی۔ ایک ملک کا دوسرے ملک پر حق کیا ہے؟ اسلام اور رسولِ اسلام نے اس پر گفتگو کی۔ خاندان میں ایک رشتے دار کا دوسرے رشتے دار پر حق کیا ہے؟ بڑی تفصیل کے ساتھ قرآن نے بھی گفتگو کی اور پیغمبر اکرم نے بھی گفتگو کی۔ قوموں کے حقوق، ملکوں کے حقوق، معاشرے کے حقوق، باپ کا حق بیٹے پر، بیٹے کا حق باپ پر، شوہر کا حق زوجہ پر، زوجہ کا حق شوہر پر یہ حقوق بڑی تفصیل کے ساتھ قرآن نے بھی بیان کئے اور پیغمبرؐ اسلام نے بھی بیان کئے۔ لیکن ایک ایسی بات ہے جسے کتاب و سنّت نے اجمال کے ساتھ بیان کیا۔ تفصیل نہیں ملتی کہ انسان کا حق خود اپنے اوپر کیا ہے۔ دیکھو۔ تمھارا اپنا وجود، آنکھیں بھی ہیں زبان بھی ہے، ہونٹ بھی ہیں، سینہ بھی ہے، سر بھی ہے، دماغ بھی ہے، ہاتھ بھی ہے، پاؤں بھی ہے تو کوئی حق ہو گا نہ تمھارے ہاتھ کا تمھارے اوپر، کوئی حق ہو گا تمھارے پاؤں کا تمھارے اوپر، کوئی حق ہو گا تمھاری آنکھوں کا کہ کتنا استعمال کرو اور کب استعمال

بند کر دو۔ ہاتھ کو کتنا استعمال کرو اور کب ہاتھ کے استعمال کو بند کر دو۔ تو ان حقوق پر اجمال دیا، اختصار دیا، کتاب وسنّت نے، اور تفصیل دی سیّدِ سجّادؑ نے۔ میں آپ کو سچ بتا رہا ہوں کہ دُنیا میں حقوق پر پہلی کتاب جو لکھی گئی وہ سیّدِ سجّادؑ نے لکھی۔ اور آج تک وہ کتاب "رسالت الحقوق" کے نام سے دُنیا میں موجود ہے۔ تمہارا حق اپنے حاکم پر کیا ہے؟ تمہارے حاکم کا حق تمہارے اوپر کیا ہے۔؟ تمہارا حق اپنے پڑوسی پر کیا ہے؟ پڑوسی کا حق تمہارے اوپر کیا ہے؟ بڑی تفصیلات دی ہیں۔ تمہارا حق اپنے باپ پر کیا ہے؟ تمہارے باپ کا حق تمہارے اوپر کیا ہے؟ بڑی تفصیلات ہیں۔ اور پھر تمہاری آنکھوں کا تمہارے اوپر حق کیا ہے؟ تمہارے ہاتھوں کا تمہارے اوپر حق کیا ہے؟ تمہارے پیروں کا تمہارے اُوپر کیا حق ہے ___؟ پوری تفصیل کے ساتھ بیان کیا اور وہیں ایک باب قائم کیا کہ تمہارے رشتے داروں کا تمہارے اوپر حق کیا ہے؟ حق ہے رشتے داروں کا اس لئے کہ انسان ایک سماجی مخلوق ہے اور جب سماجی مخلوق ہے تو اس کی ایک ماں ہوگی ایک باپ ہوگا جب ماں اور باپ ہوں گے تو خاندان بنے گا۔ اور جب خاندان ہوگا تو معاشرہ بن جائے گا۔ اور جب معاشرہ بنے گا تو شہر بن جائے گا۔ جب شہر بنے گا تو بستیاں آباد ہوتی چلی جائیں گی۔

سُن رہے ہو نہ۔ اچھا، تو اب خاندان کی ابتدا کیا ہے؟ اس دُنیا میں پہلے دو انسان۔ آدمؑ اور حوا۔ ٹھیک۔ آدمؑ حوّا کے احسان مند نہیں ہیں اپنے وجود میں، اور حوّا پر آدم کا کوئی احسان نہیں ہے وجود کے سلسلے میں۔ دونوں کو اللہ نے اپنی قدرت کاملہ سے پیدا کیا۔ اس کے بعد اب جو انسانیت آئی وہ ماں اور باپ کے ساتھ آئی۔ اب مجھے اتنا بتلا دو کہ ماں اور باپ میں زیادہ اہم کون ہے؟ تو بتاؤ کہ دُنیا میں ایسے لوگ بھی آئے جو بغیر باپ کے آئے۔ یعنی میں کہنا یہ چاہ رہا ہوں کہ عیسیٰ باپ سے بے نیاز ہوسکتے ہیں، لیکن ماں سے بے نیاز نہیں ہوسکتے۔ تو اب ماں کی اہمیت سمجھ میں آئی؟ سُنئے۔ باپ سے انسان کا جو تعلق ہے وہ ایک لمحے کا تعلق تھا ختم ہوگیا۔ اور جب بچّہ بطنِ مادر میں آیا تو ساری تربیت کی اور پیٹ کی ذمہ داریاں ماں کی ہیں۔ انسان اپنی ماں کا جزو بدن ہے۔ یہ پیٹ میں غذا کہاں سے مل رہی ہے ماں غذا فراہم کر رہی ہے، یہ پیٹ میں سانس کہاں سے پہنچ رہی ہے، ماں سانس

فراہم کر رہی ہے، یہ تمہاری جو تربیت ہو رہی ہے پیٹ میں اس کا ذمہ دار کون ہے؟ ماں ہے۔ تو اب انسان جب دُنیا میں آیا تو آنے سے رزق کی ذمہ دار ماں تھی۔ اب جب آگیا تو اس کا ذمہ دار باپ ہے ماں نہیں ہے۔ بہت سامنے کی باتیں عرض کر رہا ہوں تاکہ یہ رشتے سمجھ میں آجائیں تو پھر رشتوں سے آگے بڑھنے کی گنجائش نکل آئے ___ اچھا تو ماں تو بڑی اہم ہے لیکن مجھے یہ بتاؤ کہ دُنیا کا پہلا رشتہ کون سا ہے؟ اہم رشتہ ہے ماں، اہم رشتہ ہے باپ۔ سنو جب پیغمبر اکرم نے بار بار کہا، قرآن مجید کی آیت ہے کہ اللہ محسنین کو پسند کرتا ہے، احسان کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔ بار بار جو پیغمبرؐ نے آیت پڑھی تو کسی شخص نے پیغمبرؐ سے سوال کیا کہ یارسول اللہ کس کے ساتھ احسان کروں، کہا، اپنی ماں کے ساتھ، کہا یارسول اللہ پھر کس کے ساتھ احسان کروں، کہا، اپنی ماں کے ساتھ، پوچھنے والا بھی ضدّی تھا، کہا یارسول اللہ پھر اس کے بعد؟ کہا اپنی ماں کے ساتھ۔ چوتھی مرتبہ پھر پوچھا کہ یارسول اللہ کس کے ساتھ حُسنِ سلوک کروں؟ فرمایا اپنے باپ کے ساتھ۔ تو تین حصّے تمہاری محبت کے اپنی ماں کے لئے ہیں اور ایک حصہ محبّت کا باپ کے لئے ہے تو بڑا محترم رشتہ ہے ماں کا بھی اور بڑا محترم رشتہ ہے باپ کا بھی۔ ماں بھی اہم ہے باپ بھی اہم ہے۔ سورۂ عنکبوت کی آیت یاد ہے جس اللہ نے فرمایا ہے کہ ہم نے انسان کو وصیت کی، میرا شکر ادا کرو اور اپنے والدین کا شکر ادا کرو ___ دیکھا والدین کی اہمیت کو کہ اللہ نے اپنے شکر کے ساتھ والدین کے شکر کو رکھا۔ میرے تشکّر کے ساتھ اپنے ماں باپ کے بھی شکر گزار رہو کیونکہ میں حقیقی سببِ وجود ہوں۔ یہ مجازی سبب وجود ہیں۔ ٹھیک، قرآن کہہ رہا ہے کہ اپنے ماں باپ کا شکریہ ادا کرو۔ اب میں عام مجمع سے یہ بات پوچھنا چاہتا ہوں کہ یہ شکریہ کیا فقط عام انسانوں کے لئے ہے، نبی اس حکم میں شامل نہیں ہیں؟ یہ شکریہ کیا ہم امتیوں کے لئے ہے، نبی اس حکم سے مستثنیٰ ہے۔ تو کوئی حکم ایسا نہیں ہے جس میں نبی شامل نہ ہو۔ توجہ رہے، تو ہمیں بھی حکم ہے کہ ہم والدین کا شکریہ ادا کریں ___

حجۃ الاسلام والمسلمین آغائی سیّد ابو الفضل بہاء الدین، نمائندہ ولی فقیہہ ہیں پاکستان میں، حجۃ الاسلام مولانا شیخ علی حدید زعیم بزرگ ہیں پاکستان کے، حضرت مولانا فیروز الدین رحمانی عالمِ اسلام کی معروف شخصیت ہیں، اب یہ حضرات تشریف فرما ہیں اور ان کے سامنے میں بول رہا ہوں، تو اب کچھ سُننا

تاکہ اب بات یہیں سے آگے بڑھ جائے۔ زیادہ نہیں روکوں گا جانا خاندان پہ ہے۔ ماں باپ سے آگے جانا ہے۔ اللہ نے حکم دیا کہ میرا شکریہ ادا کرو اور اپنے والدین کا شکریہ ادا کرو۔ تو کیا یہ حکم صرف اُمّت کے لئے تھا؟ نہیں۔ نبیؐ اس میں شامل ہے۔ تو اَب نبیؐ پر واجب ہے یا نہیں کہ اپنے والدین کا شُکریہ ادا کریں۔ تو اب میرا جملہ سُننا، شکریہ ہے نعمت کے عوض اور یہ طے ہو چکا ہے کہ نبوّت کبھی کافر کی شکر گزار نہیں ہوتی اس لئے آمنہ بھی مومنہ تھیں اور عبداللہ بھی مومن تھے۔ میرے محترم سُننے والوں تک بات پہنچ رہی ہے نہ؟ بھئی بہت توجہ رکھئے گا۔ شکریہ اَدا کرو میرا بھی اپنے والدین کا بھی۔ بھئی ذرا ایک مرحلے تک لے جانا چاہ رہا ہوں اور اس مرحلے تک جانے کے لئے ضروری ہے۔ عالِم اسلام کا خیال ہے کہ نعوذ باللہ، رسّولؐ کے والد مسلمان نہیں تھے۔ رسّولؐ کی والدہ نعوذ باللہ مسلمان نہیں تھیں۔ تو کیا اللہ حکم دے گا کہ کافر کا شکریہ ادا کرو۔ نبوّت کبھی کافر کا احسان نہیں لیتی اور نہ شکریہ ادا کرتی ہے اور اب شکریے کے دو طریقے، عمل سے شکریہ ادا کرو، زبان سے شکریہ ادا کرو۔ سُننا آیت کا ترجمہ پیش کر رہا ہوں اور درمیان سے آیت کاٹ کے ترجمہ پیش کر رہا ہوں۔ "یہ جو تمھارے والدین ہیں ان کے لئے اپنے شانوں کو جُھکا دو ذلّت کے ساتھ، رحمت کے ساتھ جُھکے رہو اپنے والدین کے سامنے۔" توجّہ رہے والدین کے لئے شانوں کو جُھکا دو ذلّت کے ساتھ اور رحمت کے ساتھ اور کہو کہ پروردگار ان دونوں کو ویسی رحمت سے سرفراز کر دے جیسی رحمت سے انہوں نے بچپنے میں مجھے پالا۔ اَب تاریخ سے پوچھو کہ کِن دونوں نے بچپن میں محمدؐ کو پالا تھا ــــ رشتے داری سمجھ میں آ رہی ہے؟ اچھا تو اَب تم بتاؤ کہ دُنیا کا سب سے پہلا رشتہ کون سا ہے؟ دُنیا کا پہلا ماں کا ہے یا باپ کا؟ نہیں۔ دُنیا کا پہلا رشتہ ہے زوجیت کا۔ شوہر اور زوجہ حقیقت تو یہی ہے نہ۔ بھئی انسانیت کا آغاز ہے آدم اور حوّا سے۔ اور ان میں رشتہ کیا تھا؟ شوہر اور زوجہ کا۔ تو پہلا رشتہ زوجیت کا اور جتنے مقدّس رشتے دُنیا میں آئے ہیں وہ پہلے رشتے کے سبب آئے ہیں۔ پہلا رشتہ زوجیت کا، شوہر اور زوجہ۔ اولاد پیدا ہوئی۔ بٹیا، بیٹی، اولاد کی اولاد پیدا ہوئی، دادا، نانا۔ دادی، نانی۔ بن گیا نہ خاندان۔ اچھا، تو دُنیا کا کوئی علاقہ ایسا ہے جہاں خاندان نہ ہو۔

تو ہم نے دیکھا۔ ایسے ایسے خاندان دیکھے کہ ماں جاہل، باپ جاہل، دادا جاہل، دادی جاہل، نانا جاہل، نانی جاہل۔ اور بیٹا تو جاہل تھا ہی ــــ بے کمال، ناقص۔ تو ایسے خاندان تو بہت ملیں گے جس میں ہر ایک صاحبِ کمال ہو تو سوائے خاندانِ محمدؐ کے اور کوئی دوسرا خاندان نہیں ملے گا۔ کیا کمال کا خاندان ہے اَب ایک چھوٹا سا واقعہ اپنے سُننے والوں کو ہدیہ کرتا چلوں۔ ضرورت ہے آلِ محمدؐ کو سمجھنے کی۔ ایک ہی خاندان ایسا ہے جس میں کوئی رشتہ بغیر کمال کے نہیں ہے۔ رسّولؐ بیٹھے ہیں، رسّولؐ کی گود میں حسینؑ بیٹھے ہیں، رسّولؐ کے سامنے علیؑ بیٹھے ہیں۔ تین شخصیتیں ہیں۔ رسّولؐ، رسّولؐ کی گود میں حسینؑ، رسّولؐ کے سامنے علیؑ۔ اچھا کیا عمر معیّن کرتے ہیں آپ حسینؑ کی۔ تاریخ میں تو عمر نہیں ہے، بس اتنی عمر ہے کہ ایک بچّہ رسّولؐ کی گود میں بیٹھا ہوا ہے۔ چار پانچ سال تک کی عمر کا بچّہ ہو گا جبھی تو گود میں بیٹھے گا۔ اچھا۔ علیؑ مُسکرا مسکرا کر کبھی حسینؑ کو دیکھتے ہیں، کبھی رسّولؐ کو دیکھتے ہیں۔ اَب علیؑ سے برداشت نہ ہوا کہا، یا رسول اللہ! ایک بات پوچھوں؟ کہا یا علیؑ پوچھو' کہا، یا رسول اللہ حسینؑ میں اور مجھ میں آپ کو زیادہ محبوب کون ہے؟ قبل اس کے کہ رسّولؐ جواب دیں، گود سے بچّہ بولا کہ بابا رسّولؐ کو وہی زیادہ محبوب ہو گا جس کے فضائل زیادہ ہوں گے۔ چار سال کا بچّہ ہے لیکن جانتا ہے کہ رسّولؐ کا محبوب ہونے کے لئے حُسنِ صورت نہیں، حُسنِ سیرت ضروری ہے۔ اگر میری باتیں پہنچ رہی ہوں تو مَیں ذرا واقعہ کو مکمّل کر لوں۔ زیادہ دیر نہیں روکوں گا اس مرحلۂ فکر میں ایک چھوٹا سا واقعہ ہے اور مجھے رشتہ داری کے حوالے سے کہیں اور جانا ہے، لیکن بات تو مکمّل ہو جائے۔ اچھا۔ بابا، رسّولؐ کو تو وہی محبوب ہو گا جس کے فضائل زیادہ ہوں۔ علیؑ مسکرائے، کہنے لگے حسینؑ ذرا اپنے فضائل تو سُناؤ۔ کہا بابا، یہ میں کیسے کر سکتا ہوں کہ اپنے باپ پر سبقت کروں۔ "تہذیب آلِ محمدؐ۔ خاندانِ آلِ محمدؐ کی تہذیب، بابا یہ تو ممکن ہی نہیں کہ میں اپنے باپ پر فضائل بیان کرنے میں سبقت کروں۔ بابا پہلے آپ فضائل بیان کریں اور اگر گنجائش ہو گی تو بعد میں مَیں بھی بیان کر دوں گا۔ اَب علیؑ نے اپنے فضائل بیان کرنے شروع کئے۔ کہنے لگے مجھے اللہ نے امیر المومنین بنایا، مجھے اللہ نے مجھے امام المتقین بنایا، اللہ نے مجھے صالح المومنین کہا، اللہ نے مجھے وَلی بنایا، اللہ نے میرے لئے آیۂ ولایت نازل کی، ارشاد

فرمایا، اللہ نے میرے لئے سورۂ ھَل اَتیٰ نازل کیا، علیؑ نے اپنی ستّر فضیلتیں ایک نشست میں بیان کیں ––– اور مُسکرا مُسکرا کر بیٹے کو دیکھ رہے ہیں جب ستّر فضیلتیں بیان کر چکے تو کہنے لگے بیٹے اگر تمھارے کچھ فضائل ہوں تو تم بھی بیان کرو۔ بچّے نے کہا، بابا یہ جو فضیلتیں بیان کیں آپ نے یہ سب مجھ میں ہیں۔ کہا، اچھّا، تو اَب تم وہ فضیلت بیان کرو جو تم میں ہو، مجھ میں نہ ہو۔ بچّے نے ہاتھ جوڑے اور کہا، بابا جیسا باپ مجھے ملا ویسا آپ کو نہیں ملا۔" خدا کی قسم تہذیب آلِ محمدؐ دیکھو۔ بابا جیسا باپ مجھے ملا ویسا آپ کو نہیں ملا۔ جیسی ماں مجھے ملی ویسی ماں آپ کو نہیں ملی۔ جیسا نانا مجھے ملا ویسا نانا آپ کو نہیں ملا۔ تو بیان کر رہے ہیں اپنی فضیلت، ناز کر رہے ہیں رشتے داروں پر۔ حسینؑ کو ناز ہے اپنے باپ پر، ناز ہے اپنی ماں پر، ناز ہے اپنے نانا پر، ناز ہے اپنے بھائی پر ––– سُن لیا حسینؑ کو ناز ہے حسن پر۔ ناز ہے علیؑ پر، حسینؑ کو ناز ہے فاطمہؑ پر، حسینؑ کو ناز ہے رسول اللہ پر۔ ایسے ہوں تو طہارت اُن پر ناز کرے۔"

اب میں کل کی گفتگو سے متصل ہوا۔ پوچھا تھا نہ فرشتوں نے کہ پروردگار یہ ہیں کون؟ ایسے ہوں تو طہارت ان پر ناز کرے۔ سب کو معلوم ہے کہ نزول آیۂ تطہیر کی مصداق یہی ہستیاں لیکن اب رشتے داری کے حوالے سے تو سُنتے جاؤ نہ۔ ایک دن بابا میرے حجرے میں آئے مجھے سلام کیا اور کہنے لگے فاطمہؑ، آج میں اپنے بدن میں ضعف محسوس کر رہا ہوں۔ دیکھئے آج محرّم کی چھٹی تاریخ آگئی اور میں مسلسل بول رہا ہوں، اگر آپ پوچھیں کہ جناب آپ کا مزاج کیسا ہے؟ تو کہوں گا کہ کمزوری محسوس کر رہا ہوں۔ نہیں۔ میرے نبیؐ نے کہا، میں بدن میں کمزوری محسوس کر رہا ہوں۔ بتانا یہ تھا کہ جسمِ نبوت کمزور ہو سکتا ہے، عقلِ نبوت کبھی کمزور نہیں ہو سکتی۔

مجھے تو آگے جانا ہے۔ لیکن رشتے داریاں سمجھتے جاؤ۔ میرا نانا رسول اللہؐ، میرا باپ رسول اللہؐ میرا بھائی رسول اللہ جمع ہوئے۔ میرا رسول، دو کا نانا ہے، ایک کا بھائی ہے، ایک کا باپ ہے۔ رشتے ہیں نہ۔ اس مقام پر کچھ کہنا چاہوں گا۔ یہ علیؑ سے کس کا رشتہ ہے؟ نبی کا، ٹھیک۔ فاطمہؑ سے کس کا رشتہ ہے؟ نبیؐ کا۔ حسنینؑ سے کس کا رشتہ ہے؟ نبیؐ کا۔ نہیں میں لفظوں کو اُلٹ دو، علیؑ نبیؐ کے

رشتے دار ہیں، فاطمہؑ، نبیؐ کی رشتہ دار ہیں، حسینؑ، نبی کے رشتے دار ہیں۔ ٹھیک ہے نہ۔ اب میں کیا کروں کہ جب فرشتے نے پوچھا، پروردگار یہ چادر میں ہیں کون؟ اللہ بولا۔ یہ نبیؐ کے رشتے دار نہیں ہیں نبوّت کے رشتے دار ہیں۔ کہاں کی بات لے کے بیٹھ گئے۔ نبیؐ کے رشتے دار؟ نبیؐ کے رشتے دار تو اور بہت ہیں۔ اچھّا دیکھو، کیا کہا؟ یہ نبوّت کے اہلبیت ہیں، نبی کے اہلِ بیت نہیں۔ توجّہ رہے۔ اچھا، تو رسولؐ ہیں نبیؐ، نبوت ہے عہدہ، ٹھیک۔ پھر سنو، نبیؐ ہیں عہدے دار، نبوت ہے عہدہ۔ میرا نبیؐ عہدہ دار ہے۔ ٹھیک۔ اس کا عہدہ کیا ہے؟ نبوت۔ طے ہو گئی بات۔ اچھّا ایک رشتہ ہوتا ہے عہدے دار کے ساتھ، ایک رشتہ ہوتا ہے عہدے کے ساتھ۔ ایک عام مثال دے دوں تاکہ بچّہ بھی اچھی طرح سمجھ جائے۔ جملہ سُنتے جاؤ جو میں کہنا چاہ رہا ہوں۔ ایک رشتے داری ہے عہدے دار کے ساتھ ایک رشتہ ہے عہدے کے ساتھ۔ میں ایک مثال دے رہا ہوں۔ مثلاً۔ صدرِ مملکت کسی بھی ملک کا۔ کسی بھی ملک کا صدرِ مملکت۔ اس کا بیٹا، یہ کون ہے، عہدے دار کا بیٹا ہے، عہدے کا بیٹا نہیں ہے، صدرِ مملکت کا بیٹا، رشتہ اس کا عہدے دار سے ہے، عہدے سے نہیں ہے ––– اچھّا، صدرِ مملکت کا ملٹری سکریٹری۔ اس کا رشتہ عہدے سے ہے۔ عہدے دار سے نہیں ہے۔ دیکھو جو پریسیڈنٹ کا ملٹری سکریٹری ہو گا تو مسٹر ایکس (x) پریسیڈنٹ ہوں، وہ سکریٹری ہے مسٹر ایکس ہٹ جائیں، مسٹر وائی (y) آجائیں تو وہ ملٹری سکریٹری ہے۔ مسٹر وائی کو ہٹا دو، مسٹر زیڈ (z) کو رکھ دو، پھر وہ ملٹری سکریٹری ہے۔ تو جب تک عہدہ رہے گا وہ ملٹری سکریٹری رہے گا۔ اچھّا، عہدہ دار سے رشتے میں خرابی کیا ہے؟ جب تک باپ صدر ہے بیٹا چاہے جو کچھ کرے۔ اور جب باپ صدارت سے معزول ہو گیا، عہدے سے معزول ہو گیا تو بیٹا بیکار۔ سمجھ گئے؟ تو ایک رشتہ ہے عہدے دار سے، جب تک عہدے دار عہدے پر ہے، رشتے میں طاقت ہے اور جب عہدے دار ہٹ جائے تو رشتے کی قوّت ختم ہو گئی۔ اور ایک رشتہ ہے عہدے سے، آلِ محمدؐ کے لئے یہ نہیں کہا کہ یہ نبیؐ کے اہلِ بیت ہیں۔ نہیں، یہ نبوّت کے اہلِ بیت ہیں، اب جہاں تک نبوّت باقی ہے۔

قیامت تک اہلِ بیت باقی ہیں۔ اب سلسلۂ فکر کو اس مقام سے آگے نہیں لے جانا ہے۔ پیغمبر تھے چادر میں، حسنؑ داخل ہوئے، حسینؑ داخل ہوئے، علی داخل ہوئے، سیدہؑ داخل ہوئیں ٹھیک۔ اچھا جبریل چلا، تمھارے علم میں ہے بیان نہیں کروں گا۔ جبریل چلا، تو کیا کہہ کے چلا، جب اللہ نے کہا کہ فلاں لوگ ہیں تو کیا کہہ کے چلا کہ پروردگار اجازت ہے کہ میں چلا جاؤں آلِ محمدؐ کے پاس اور تیرا یہ اعلان پہنچا دوں؟ یعنی عجیب بات ہے کہ اب تک ساری آیتوں کے لئے یہ ہوا کہ اللہ نے کہا جبریل یہ آیت لے جاؤ۔ اور آج اللہ نہیں کہہ رہا ہے کہ آیت لے جاؤ، جبریل کہہ رہا ہے کہ اجازت ہے کہ میں آیت لے جاؤں؟ کہاں لے جاؤ۔ آیا۔ اور آنے کے بعد کیا کہہ رہا تھا؟ یارسول اللہ اجازت ہے کہ میں آپ کا چھٹا بن کر آجاؤں۔ اچھا، تو اب اس چادر میں گنجائش نہیں۔ کسائے یمانی کتنی بڑی ہوگی۔ رسولؐ تھے، رسولؐ کا داماد تھا، رسولؐ کی بیٹی تھی، رسولؐ کے دو نواسے تھے۔ اَب اگر کوئی دیکھ بھی رہا تھا واقعہ کو تو کیسے اندر آجاتا جگہ ہی نہیں تھی۔ ایسا کہتے ہیں لوگ۔ بھئی جگہ تو تھی، اگر جگہ نہ ہوتی تو جبریل کیسے اندر آجاتا۔ تو جگہ تو تھی لیکن کوئی کوالیفکیشن ضروری تھا۔ کوئی سند بھی چاہیے تھی چادر میں جانے کے لئے۔ سند سُناؤں۔ بھئی دوسرا کیسے گھس جاتا مولانا مجھے آپ بتائیں۔ مولانا رحمانی کو مخاطب کرکے کہہ رہا ہوں۔ کیسے ممکن ہے؟ اس لئے میں اب جو سند دوں گا، اسے آپ رد کرسکتے ہوں تو رد کردیں۔ چادر میں کون ہے؟ رسولؐ، سیّد البشر، سیّد الانبیاء۔ علیؑ ہیں سیّد الاوصیاء، فاطمہ ہیں سیدۃ النساء العالمین، حسنین ہیں، سیدا شباب اہل الجنۃ، جبریل ہیں سید الملائکہ۔ ارے یہ مجمع سادات کا ہے اُمّتی کہاں سے آجائے گا۔"

بس میرے عزیزو، میرے دوستو، تقریر تمام ہوئی، یہ مقام طہارت کے لوگ ہیں۔ قرآن نے آواز دی۔ اِنَّ اللّٰہَ اصْطَفٰۤی اٰدَمَ وَنُوْحًا وَّاٰلَ اِبْرٰهِیْمَ وَاٰلَ عِمْرٰنَ عَلَى الْعٰلَمِیْنَ" ہم نے مصطفٰےٰ بنایا، آدم کو نوح کو ابراہیم کی اولاد کو آل عمران کو پورے عالمین میں سے۔ کبھی پھر سہی کہ یہ آل ابراہیم کون ہیں، آل عمران کون ہیں، آج تو بات کو میں مکمل کرنے جارہا ہوں۔ عالمین پر انھیں

فضیلت دی۔ انھیں مصطفٰےٰ بنایا۔ عجیب بات یہ ہے کہ کربلا کے پورے واقعہ میں، ۲۸ رجب سے عاشور کی شام تک کوئی ایسا مرحلہ نہیں ہے جہاں میرے مولا حسینؑ نے آیت کی تلاوت نہ کی ہو۔ جب مدینے سے نکل رہے تھے تو آیت پڑھی کہ موسیٰ، رات کی تاریکی میں اپنے شہر سے نکل گئے۔ جب مکّہ میں داخل ہوئے تو آیت پڑھی، جب کربلا پہنچے تو آیت پڑھی۔ آیتیں آپ کے ذہن میں ہوں گی۔ ہر لمحہ پر حسینؑ نے ایک نہ ایک آیت پڑھی ہے۔ جب عباس کو اجازت دی ہے میدان جنگ کی تو سورۂ احزاب کی آیت پڑھی ہے۔ "مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ رِجَالٌ" صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَیْهِ فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰی نَحْبَهٗ وَمِنْهُمْ مَّنْ یَّنْتَظِرُ وَمَا بَدَّلُوْا تَبْدِیْلًا اور جب اکبر میدان میں جانے لگے تو یہ آیت پڑھی" اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰۤی اٰدَمَ وَنُوْحًا وَّاٰلَ اِبْرٰهِیْمَ وَاٰلَ عِمْرٰنَ عَلَى الْعٰلَمِیْنَ"۔ بات آگئی نہ اکبر تک، محرم کی چھٹی تاریخ ہے، اب تو رونے کے لئے بہت زیادہ دن بھی نہیں بچے۔ میرے عزیزو! اکبرؑ کو پہچانتے ہو؟ حسینؑ نے برسوں قبرِ رسولؐ پر ہاتھ رکھ کر، پروردگار سے کہا، مالک نانا کا فراق برداشت نہیں ہوتا۔ اس دعا کے بعد اکبر پیدا ہوئے۔ حسینؑ اگر نانا کو دیکھنا ہے تو اکبر کو دیکھ لو۔ دعائے حسینؑ کا نتیجہ اکبرؑ۔ اور اب محبت سنو گے حسینؑ کی کیا تھی اکبر کے ساتھ۔ جناب اُمّ لیلیٰ، اکبرؑ کی والدہ بیان کرتی ہیں کہ میں اپنے حجرے میں ہوتی تھی، بچہ جھولے میں ہوتا تھا، میری آنکھ کھلتی تھی تو میں کوئی سایہ دیکھتی تھی بچّے کے اوپر جھکا ہوا تو میں گھبرا کے پوچھتی کہ ارے میرے اکبرؑ کے پاس یہ کون ہے۔ ادھر سے آواز آتی تھی اُمّ لیلیٰ آہستہ بولو میں حسینؑ ہوں۔ میں پوچھتی کہ مولا آپ کیا کررہے ہیں، تو کہتے کہ اکبر کی محبت مجھے سونے نہیں دیتی۔ بس میرے دوستو، تم نے گریہ کیا، مجلس تمام ہوگئی۔ سمجھ گئے نہ اکبر کو۔ دعائے حسینؑ کا نتیجہ ہے اکبرؑ، اتنی محبت تھی حسینؑ کو کہ رات کو سوتے نہیں تھے۔ بار بار اُٹھ کے آتے، جھولے کی طرف نگاہ کرتے واپس جاتے اتنی محبت تھی اکبر سے حسینؑ کو۔ میں پوری ذمہ داری سے عرض کررہا ہوں ایک مرتبہ بغیر موسم کے حسینؑ سے انگور مانگے۔ حسینؑ نے ہاتھ بڑھایا اور جلدی سے انگور لے کر دیا۔ بغیر موسم کے اکبر نے حسینؑ سے انار مانگا، ہاتھ بڑھایا، جنت سے انار لے کر دے دیا۔ کسی نے کہا فرزند رسولؐ یہ آپ کیا کرتے ہیں، کہا کہ میں اکبرؑ کی فرمائش کو رد نہیں کرسکتا۔ ہائے یہ

یہ وہی اکبر ہے جو عاشور کو حسینؑ سے ایک گھونٹ پانی مانگ رہا تھا۔

بس، تقریر تمام ہوئی۔ شبِ عاشور اُمّ لیلیٰ نے فضّہ سے کہا، جاؤ ذرا اکبرؑ کو بُلا کر لاؤ۔ اکبرؑ آئے تو بڑے ناز سے کہا اُمّ لیلیٰ نے کہ اکبرؑ۔ اگر ذرا سی فرصت تمھیں اپنے باپ سے مِل جائے تو ماں کے پاس آکر بیٹھ جاؤ۔ کہا، اماں ابھی بابا سے اجازت لے کر آتا ہوں۔ گئے باپ سے اجازت لی۔ آئے۔ بیٹھ گئے۔ کہا، امّاں کیا حکم ہے۔ کچھ بولی نہیں کہا بیٹے بیٹھو۔ صندوق کھولا، نیا لباس نکالا اپنے ہاتھوں سے وہ جوڑا اکبر کو پہنایا۔ کنگھی نکالی۔ اپنے ہاتھوں سے اکبر کے بالوں کو سنوارا۔ اور شمع قریب رکھ کے اکبرؑ کو دیکھنے لگیں۔ کہا اماں، کچھ حکم ہے، کہا، ہاں بیٹے سنو۔ بیٹے تم تو جانتے ہو کہ میرا تعلّق بنی ہاشم سے نہیں ہے۔ میں تو دوسری جگہ سے بیاہ کر آئی ہوں، تو بیٹے کل گھمسان کا رن ہو گا۔ ایسی دادِ شجاعت دینا کہ مجھے زینبؑ کے سامنے شرمندگی نہ ہو۔ کہا، اماں آپ کا حکم سر آنکھوں پر۔ عاشور کا دن آیا، اکبر آئے حسینؑ سے اِذن مانگنے کے لئے۔ حسینؑ نے اِذن نہیں دیا۔ جانتے ہو حسینؑ نے کیا کہا؟ کہنے لگے جاؤ تم کو تو تمھاری پھوپھی نے پالا ہے، جاؤ اُن سے اجازت لو۔ اگر انہوں نے اجازت دے دی تو میں بھی اجازت دے دوں گا۔ دیکھا کیا کمال کا جملہ ہے حسینؑ ابن علیؑ کا۔ بھئی اکبر کو کس نے پالا؟ زینبؑ نے پوری کربلا پال کے دی ہے زینبؑ نے۔ آخری جملے سنو۔ حسینؑ نے کہا جاؤ اکبر اگر تمھاری پھوپھی نے تمھیں اجازت دے دی تو میں بھی تمھیں اجازت دے دوں گا۔ آئے، پھوپھی اماں مجھے جنگ کی اجازت ہے؟ کہا، نہیں۔ واپس آ گئے۔ پھر تھوڑی دیر بعد گئے، کہا پھوپھی اماں مجھے جنگ کی اجازت ہے؟ کہا، نہیں، یہ زینبؑ بول رہی ہے، پھر واپس آ گئے۔ تیسری مرتبہ آئے، پھوپھی اماں مجھے جنگ کی اجازت ہے؟ کہا نہیں، مَیں نے کہہ دیا کہ تمھیں اجازت نہیں دوں گی۔ ہاتھ جوڑ لئے کہا، پھوپھی اماں مَت دیں اجازت، کل قیامت کے دن جب فاطمہ زہرا پوچھیں گی کہ تجھے اکبر پیارا تھا یا حسینؑ پیارا تھا تو کیا جواب دیں گی۔ کہا بیٹے اکبر تجھے اجازت ہے، خدا حافظ۔

(ساتویں مجلس)

بِسمِ اللّٰہِ الرَّحمٰنِ الرَّحِیمْ

" وَالعَصرِ، اِنَّ الاِنسَانَ لَفِی خُسرٍ، اِلَّا الَّذِینَ اٰمَنُو وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ، وَتَوَاصَوا بِالحَقِّ، وَتَوَاصَوا بِالصَّبرِ۔

عزیزانِ محترم۔ پچھلی ساری تقریروں کا خلاصہ یہ ہے کہ انسان نام ہے روح اور جسم کے مجموعے کا۔ روح آسمانوں سے اُتری ہوئی ایک چیز ہے، جسم زمین کی پستیوں نکلی ہوئی ایک شئے ہے۔ تو ایک شئے انتہائی بلند، ایک شئے انتہائی پست، اب ضرورت تھی کہ ان بلند و پست چیزوں کو پروردگار عالم جوڑ کے رکھے جب تک زندگی ہے۔ تو اس جوڑنے کے لئے نفس عطا کیا یہ جو انسان میں کمالات ہیں۔ تو کمال کے تین درجے ہیں۔ حصولِ کمال، اظہارِ کمال، اور اعلانِ کمال۔ کمال حاصل ہو، پہلا درجہ، کمال کا اظہار ہو، دوسرا درجہ، اور کمال نہ ہو اعلان کرتا پھرے یہ تیسرا درجہ۔ حصول کمال، اظہار کمال، اعلان کمال۔ تو کبھی کبھی انسان میں کمال نہیں ہوتا مگر انسان اپنے کمال کا اعلان کرتا ہے۔ یہ تو وہ ہے جو صاحبِ کمال نہیں ہے، اچھا، تو جو صاحبانِ کمال ہیں۔ یہ منزل تمہید ہے، اور اسی سے آگے جانا ہے۔ وہ لوگ جو صاحبانِ کمال ہیں ان سے کبھی نہ کبھی کسی کمال کو ظاہر ہوتے تم نے دیکھا نہ۔ اچھّا، جتنے انبیاء گزرے، علم بھی ہے، عدالت بھی ہے، تقویٰ بھی ہے، شجاعت بھی ہے، حلم بھی ہے، جود بھی ہے کرم بھی ہے اور سارے فضائل انسانی اور اخلاقِ انسانی ان میں موجود ہے کمال کے اوپر، انبیاء و مرسلین میں لیکن موجود ہونے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ہر کمال ہر ایک سے ظاہر ہو جائے۔ میں کہنا یہ چاہ رہا ہوں کہ کمالات ہر نبیؑ میں اتنے تھے، جتنے دوسرے نبیؑ میں۔ لیکن کسی کو موقع ملا، اس نے شجاعت کا اظہار کیا، کسی کو موقع ملا، اس نے علم کا اظہار کیا۔ کسی کو موقع ملا اس نے صبر کا اظہار کیا، تو ایسا نہیں ہے کہ حکمت تھی تو علم نہیں تھا۔ یا علم تھا تو

شجاعت نہیں تھی، ہونا اور ہے، اظہار ہونا اور ہے، ایسا نہیں ہے کہ اگر علیؑ میں شجاعت تھی تو سیدِ سجّاد میں نہیں تھی۔ اور اگر سیدِ سجّاد میں صبر تھا تو علیؑ میں نہیں تھا۔ نہیں، کمال ہونا اور کمال کا ظاہر کرنا اور ہوتا ہے گوشہ نشین ہو جاتے ہیں، مصلحتِ وقت کا تقاضہ ہوتا ہے، ضروری نہیں ہے کہ انسان ہر کمال کو ہر ایک کے سامنے پیش کر دے۔ تو کمالات انسان میں پائے جاتے ہیں۔ اَب میں نبیؐ سے چل کر آیا، امام تک پہنچا اور اب امام سے انسانوں تک آگیا۔ ہر انسان میں کمال ہے، 'اچھّا دیکھو' اب میں پوچھنا چاہ رہا ہوں کہ کوئی انسان ایسا نہیں جس میں کمال نہ ہو، کسی میں حافظے کا کمال ہے۔ کسی میں دیکھنے کا کمال ہے، کسی میں کان کا کمال ہے، کسی میں زبان کا ہے'۔ ہے نہ۔ بھئی اگر کان میں کمال نہ ہوتا تو حضرت سلیمان اس چیونٹی کی آواز کو کیسے سُن لیتے۔ اگر آنکھوں میں کمال نہ ہوتا تو جب جبریل نے پوچھا تھا کہ علیؑ بتاؤ جبریل کہاں ہیں؟ تو علیؑ اوپر نہ دیکھتے نیچے نہ دیکھتے، دائیں نہ دیکھتے، بائیں نہ دیکھتے۔ یعنی نگاہوں کا کمال۔ اگر ہاتھ میں کمال نہ ہوتا تو خیبر کا دروازہ اکھڑ نہیں سکتا تھا اور اگر پاؤں میں کمال نہ ہو تو اِنسان تیز بھاگ نہیں سکتا۔۔ تو آنکھ میں بھی کمال ہے، کان میں بھی کمال ہے۔ زبان میں بھی کمال ہے، ہاتھوں میں بھی کمال ہے، پاؤں میں بھی کمال ہے۔ اچھّا تو اب یہ بتاؤ کہ کمال کا مرکز تمھارے پورے جسم میں کہاں ہے؟ کبھی کمال آنکھوں کے ذریعہ، کبھی کمال ہاتھوں کے ذریعہ، کبھی کمال پیروں کے ذریعہ۔ تو کمال کا مرکز تمھارے جسم میں کہاں ہے؟ کوئی مقام، کوئی جگہ بتاؤ پورے جسم میں، جہاں پر یہ حافظے کا کمال، زبان کا کمال، بینائی کا کمال، قوت کا کمال یہ سب جمع ہوں۔ یہ کہاں جمع ہیں؟ ان کی جگہ جسم نہیں ہے، ان کی جگہ ہے روح۔ یہی بتانا تھا کہ کمال کا مرکز جسم نہیں ہے، کمال کا مرکز ہے روح۔ روح کمال دکھلاتی ہے جسم کے ذریعے۔ تو اب انسان میں دو چیزیں ہیں جسم اور روح۔ روح کمال دکھلائے اور اس کمال کو جسم لوگوں کے سامنے پیش کرے۔ روح اور جسم میں فرق یہی ہے کہ جسم بدلے، روح نہ بدلے۔ عجیب مرحلۂ فکر پر آگیا۔ ایک بچّہ ہے، نوجوان ہوا، جوان ہوا، بوڑھا ہوگیا، کتنے اسٹیج سے گزر گیا۔ بوڑھا ہوگیا۔ تو کیا چیز بوڑھی ہوئی، روح بوڑھی ہوئی؟ روح اپنی جگہ پر جوان ہے جسم بوڑھا ہوگیا، روح بوڑھی نہیں ہوئی، یہی سبب ہے کہ اگر جسم بوڑھا ہو جائے تو بیٹھ کے نماز پڑھو۔ اگر بیٹھ کے نہ

پڑھ سکتے ہو تو لیٹ کے نماز پڑھو، اگر لیٹ کے بھی نہیں پڑھ سکتے تو اشاروں سے پڑھو۔ یہ جسم کے تقاضے ہیں۔ اور روح پہلے دن بھی مان رہی تھی کہ خدا ایک ہے، بڑھاپے میں بھی مانے گی کہ خدا ایک ہے، اب ایک فیصلہ کرتے چلیں۔ بھئی جسم بوڑھا ہوتا ہے، جسم کا تعلق فروعِ دین سے اعمالِ صالحہ سے، روح کا تعلق اصولِ دین سے، ایمان سے۔ اصولِ دین مرتے وقت، فروعِ دین میں کمی بیشی ہوتی رہے، اچھّا، تو اب ایمان کا تعلّق روح سے ہے یا جسم سے' ایمان کا تعلّق جسم سے نہیں ہے، ایمان کا تعلّق روح سے ہے، بچّہ ہو تب بھی مومن ہو سکتا ہے۔ نوجوان ہو جب بھی مومن ہو سکتا ہے۔ جوان ہو جب بھی مومن ہو سکتا ہے، ادھیڑ ہو جب بھی مومن ہو سکتا ہے، یعنی میں کہنا چاہ رہا ہوں کہ ایمان کا تعلق جسم سے نہیں ہے، ایمان کا تعلق روح سے ہے۔ ہو سکتا ہے کہ بچّہ ہو اور ایمان بوڑھوں سے بہتر ہو ___ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ بوڑھا ہو مگر بچّوں کے برابر بھی ایمان نہ ہو۔" سمجھتے رہیئے بہت قریب ہو کے بات کر رہا ہوں میں۔

اب کمالات مربوط ہیں روح سے، جسم سے ان کا کوئی ربط نہیں ہے۔ سارے کمالات کا مرکز روح ہے۔ اب مجھے اتنا بتاؤ کہ عورت میں اور مرد میں روح کا فرق ہے یا جسم کا فرق ہے، اتنی کتابیں دیکھ ڈالیں۔ عالمِ اسلام کا پورا لٹریچر پڑھ ڈالا لیکن یہ پتہ نہیں چلا کہ عورت روح ہے کہ مرد روح ہے۔ روحوں میں عورت مرد کا فرق نہیں ہے۔ عورت مرد کا فرق جسموں میں ہے جسمانی ساخت سے پہچانا جاتا ہے کہ یہ مرد ہے یا یہ عورت ہے۔ ورنہ روحیں برابر ہیں۔ تو اللہ نے فضائل میں عورت اور مرد کو برابر کیا۔ روحیں ہیں ایک جیسی، جسموں کی ساخت میں فرق، جب جسموں کی ساخت میں فرق تو جسموں کے تقاضوں میں فرق، ایک تربیت کرے، دوسرا کسبِ معاش کرے۔ ایک تربیت کے فریضے کو انجام دے دوسرا کسبِ معاش کے فریضے کو انجام دے تاکہ ٹیم ورک ہو، خاندان آگے بڑھے۔ معاشرہ بنے، خانوادے بنیں، شہر بنے، بستیاں بنیں، اب اس مرحلے پر لے آیا___ عورت اور مرد۔ عورت اور مرد نہ ہوں تو نہ خاندان بنے گا، نہ برادری بنے گی، نہ بستیاں بسیں گی، نہ شہر بنیں گے۔

پچھلی تقریر میرے سُننے والوں کے ذہن میں محفوظ ہوگی کہ آدم و حوّا براہ راست خدا کے پیدا کیئے ہوئے ہیں۔ پوری نسلِ انسانیت آدم حوّا کی اولاد ہے۔ باپ اور ماں دونوں میں اہم کون؟ پچھلی تقریر کا کوٹیشن دے رہا ہوں. کون اہم؟ واضح سی بات ہے ابھی تو کہہ کے گزرا ہوں کہ تاریخ انسانیت میں ایک ایسا بچہّ آیا جو باپ سے تو بے نیاز تھا، ماں سے بے نیاز نہیں تھا۔ ٹھیک۔ تو آدم اور حوّا۔ دنیا کا پہلا رشتہ؟ زوجیت کا رشتہ۔ شوہر اور زوجہ رشتہ۔ بھئی سُننا اور قرآن کی بلاغت پر ایمان لے آنا۔ دیکھو "زوج" کہتے ہیں جوڑے کو۔ اور زوجہ کہتے ہیں بیوی۔ زوج؟ جوڑا۔ زوجہ؟ بیوی۔ "زوج" دونوں کے لئے بھی بولا جاسکتا ہے۔ عورت شوہر کے لئے زوج ہے۔ شوہر اپنی بیوی کے لئے زوج ہے۔ یہ زوج برابر کا لفظ ہے۔ زوج کی جمع ازواج۔ زوجہ کی جمع زوجات۔ یہ لفظ ذہن میں محفوظ ہو جائے جبھی گفتگو کے آگے بڑھنے کا مرحلہ آئے گا۔ یا اٰدمُ اسکُنْ اَنتَ وَ زَوْجُکَ الْجَنَّۃَ" آدم تم جاؤ اپنی زوج کو لے کر جنّت میں رہو۔ زوجہ نہیں، اگر اسٹیٹس میں کم ہوتی تو زوجہ کہتے۔ آدم جاؤ ــــ تم بھی جنّت میں رہو اور تمھاری زوج بھی جنّت میں رہے۔ نہیں، ذرا سا اور واضح کردوں۔ آدم زوج ہیں حوّا کے لئے اور حوّا زوج ہیں آدم کے لئے۔ ٹھیک۔ اب ایک جملہ عرض کرنا چاہ رہا ہوں۔ دیکھئے کل میں نے پوری تفصیل سے بیان کیا رشتے داریوں کے سلسلے میں۔ کبھی آپ نے غور کیا کہ رشتے داری دو سے بنتی ہے۔ کم سے کم دو تو ہوں۔ اِدھر دادا ہے، اُدھر پوتا ہے۔ اِدھر نانا ہے اُدھر نواسہ ہے۔ اِدھر باپ ہے اُدھر بیٹا ہے، اِدھر ماں ہے اِدھر بیٹی ہے۔ دو سے بنتے ہیں نہ۔ لیکن عجیب بات یہ ہے کہ جتنے رشتے میں نے گنائے ہیں، ان رشتوں میں ایک بڑا ہے، ایک چھوٹا ہے۔ دادا بڑا، پوتا چھوٹا۔ نانا بڑا، نواسہ چھوٹا۔ ماں بڑی بیٹی چھوٹی۔ باپ بڑا، بیٹا چھوٹا۔ صرف ایک رشتہ ہے جو برابر کا ہے۔ بھئی اِدھر نانا ادھر نواسہ۔ لیکن بھائی کا رشتہ ایسا ہے کہ اِدھر بھی بھائی، ادھر بھی بھائی۔ پھر اس میں بھی چھوٹا بڑائی ہے۔ یہ بڑا بھائی وہ چھوٹا بھائی۔ چھوٹائی بڑائی اس میں بھی آگئی۔ دُنیا کا واحد رشتہ ہے زوجیت کا جس میں چھوٹائی بڑائی نہیں ہے۔ آدم حوّا کے لئے زوج۔ حوّا آدم کے لئے زوج۔ اُسکُنْ اَنْتَ وَ

زَوْجُکَ الْجَنَّۃَ"۔ سُنو آدم، تم اپنے زوج کے ساتھ جنّت میں رہو۔ اَب قرآن نے آواز دی۔ "خَلَقَ لَکُمْ مِنْ اَنْفُسِکُمْ اَزْوَاجاً"۔ اللہ نے تمھارے لئے تمھارے ازواج پیدا کیئے تو اب عورت اور مرد کا اسٹیٹس برابر ہوگیا روحانی فضائل میں۔ ہوگیا نہ؟ نہیں۔ اب عورت کا کنٹرول دیکھو سماج پر۔ پھر سُنو۔ عورت اور مرد برابر۔ خاندان مرد بناتا ہے یا عورت؟ بڑا بیدار اور پڑھا لکھا مجمع میرے سامنے بیٹھا ہے اور سوال وہ کر رہا ہوں کہ جس کا کوئی ربط کسی دین سے نہیں ہے۔ ہر معاشرے کا سوال ہے۔ خاندان مرد بناتا ہے یا عورت؟ بتاؤں، جتنے سسرالی رشتے ہیں، عورت کے ذریعہ ہوتے ہیں۔ بھئی دولھن بیاہ کے آئی تو یہ دولھن کی ماں ہے۔ یہ دولھن کا باپ ہے۔ یہ چچا ہے۔ یہ پھوپھا ہے۔ یہ بھائی ہے تو جتنے رشتے ہیں سسرالی وہ سارے کے سارے عورت کی پیداوار ہیں۔ اور اَب دوسرا مرحلہ۔ جتنے رشتے ہیں ولادت کے۔ یہ باپ ہے یہ ماں ہے یہ نانا ہے یہ دادا ہے۔ یہ سب ولادت کی پیداوار ہیں۔ یہ بھی عورت کی ذمہّ داری ہے۔ دو رشتے سمجھ میں آگئے۔ توجہّ رکھنا۔ اس لئے اب ایک ایسی مثال دینے والا ہوں جس کا انکار دُنیا کا کوئی انسان نہیں کر سکتا۔ خاندان بنے عورت سے، سسرالی رشتے پیدا ہوں، عورت سے۔ نہیں، دُنیا کے جتنے رشتے ہوں وہ عورت سے چلیں۔ سُنئے۔ ایک گائے کا دودھ ایک خاندان کے لڑکے نے پیا، اور اسی گائے کا دودھ ایک دوسرے خاندان کی لڑکی نے پیا۔ کیا دونوں رضاعی بھائی بہن ہو جائیں گے؟ اسلام میں تم نے رضاعت کا رشتہ تو سُنا ہے نہ۔ یہ رضاعت کا رشتہ کیا ہے؟ رضاعت کا رشتہ یہ ہے کہ بیٹا اس خاندان کا تھا، بیٹی اس خاندان کی تھی اور دونوں نے ایک عورت کا دودھ پی لیا، اب یہ دونوں ایک دوسرے کے رضاعی بھائی بہن ہو گئے۔ انکی شادی آپس میں نہیں ہو سکتی۔ تو گائے کا دودھ پیا تھا تو شادی ہو سکتی تھی۔ عورت کا دودھ پیا تو شادی نہیں ہو سکتی۔ یعنی گائے رشتہ نہیں بناتی عورت رشتہ بناتی ہے۔ تو رشتے کی بنیاد عورت ہے۔ خاندان کی بنیاد عورت ہے۔ عورت کو ہٹا دو، نہ رشتے داریاں پیدا ہوں، نہ خاندان پیدا ہو۔ نہ

ماں ہو نہ باپ ہو، نہ شوہر ہو نہ بیٹے ہوں۔ تو یہی رشتہ داری تو سمجھائی تھی کہ جب جبریلؑ نے پوچھا ہیں کون؟ کہا، فاطمہ ہے، اس کا باپ ہے، اس کا شوہر ہے، اس کے دو بیٹے ہیں"۔ پروردگار کہہ دے محمدؐ ہے، محمدؐ کی بیٹی ہے، محمدؐ کا داماد ہے محمدؐ کے نواسے ہیں نہیں۔ آج ہونا ہے طہارت کا اعلان اگر محمدؐ کے حوالے سے رشتہ داریاں بتلاؤں تو بہت سے رشتے دار کھڑے ہو جائیں گے اس لئے فاطمہؑ کے صدقے میں طہارت کا اعلان کروں گا۔ تو اب کوئی ناز نہ کرے۔ تعارف ہو حدیث کساء میں تو فاطمہؑ کے رشتے سے ہو اور پیغمبر کہیں "مَن مَّاتَ علی حُبِّ آلِ محمّدٍ مات شہیداً" شہادت آل محمدؐ کے رشتے سے ہے، رسولؐ کے رشتے سے نہیں ہے۔ سوچنے والی بات ہے کہ طہارت فاطمہؑ کے رشتے سے ہے، رسولؐ فاطمہ کا باپ، علیؑ کا نبیؐ لیکن نہیں طہارت کا اعلان اس کے رشتے سے نہیں ہوگا، اعلان ہوگا فاطمہؑ کے رشتے سے۔ شہادت کا اعلان ہوگا آلِ محمدؐ کے رشتے سے۔ طے ہو گئی بات؟ سوچنے والی بات ہے کہ رسولؐ جو سربراہ بھی ہے خاندان کا اور عالمین کا رسول بھی ہے، کہہ دیتے کہ جو میری محبت میں اور میری اولاد کی محبّت میں مرجائے وہ شہید ہے۔ اب تیسرا مرحلہ۔ آل محمدؐ نے روزہ رکھا، مَنّت مانی، روزہ رکھا، یتیم کو، مسکین کو، اسیر کو روٹیاں اٹھا کے دے دیں۔ ہم نے انھیں جزا میں جنّت دے دی۔ کس نے منّت مانی؟ علیؑ نے، سیّدہؑ نے، حسنؑ نے، حسینؑ نے۔ تو ہم نے انھیں جزا میں جنّت دے دی۔ پروردگار رسول اللہ؟ کہا، انہوں نے تو منّت ہی نہیں مانی۔ اگرچہ جنّت ملے ہی گی۔ محمدؐ کی اطاعت میں، محمدؐ سے ہٹ کر کوئی اس بات پر اطمینان نہ رکھے کہ وہ جنّت میں چلا جائے گا۔ لیکن جنّت کی ملکیت دے رہا ہوں محمدؐ کی اولاد کو۔۔۔ تو پروردگار، کوئی نہ کوئی مصلحت تو ہو گی۔ کہا کہ ہاں۔ اگر ہم یہ کہہ دیتے کہ جنّت محمدؐ اور آل محمدؐ کی ملکیت ہے تو بہت سے لوگ ایسے بھی ہوتے جو قیامت میں کہہ دیتے کہ ہم محمدؐ کی جنّت میں رہ لیں گے۔ ایسے بہت سے قیامت میں نکل آتے جو یہ کہتے کہ پروردگار ہمیں محمدؐ کے حصّہ والی جنّت دے دے۔ ہم اس میں رہ لیں گے۔ کہا نہیں؟ جنّت ملکیت آل محمدؐ کی ہے۔ محمدؐ کو مانتے رہو لیکن اگر جنّت میں جانا ہے تو پیشانی کو آل محمد کی بارگاہ میں جھکا دو۔

مَیں نے زحمت دی اور اب فکر یہیں سے آگے بڑھ رہی ہے۔ عورت کی اہمیت سمجھ میں آ گئی۔ تعارف ہوگا فاطمہؑ کے ذریعے طہارت کا اعلان ہوگا فاطمہ کے ذریعے۔۔۔ کتنی اہم ہے عورت؟ سورۂ تحریم کی دو آیتیں سُنتے چلو۔ اور یہ دونوں آیتیں اپنے ذہن رکھ لینا۔ عورت کے ہونے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ وہ کمال کی منزل پر فائز ہو گئی۔ سنو۔ "ضَرَبَ اللّٰہُ مَثَلًا لِلَّذِیْنَ کَفَرُوا امْرَاَتَ نُوْحٍ وَّامْرَاَتَ لُوْطٍ کَانَتَا تَحْتَ عَبْدَیْنِ مِنْ عِبَادِنَا صَالِحَیْنِ فَخَانَتٰھُمَا فَلَمْ یُغْنِیَا عَنْھُمَا مِنَ اللّٰہِ شَیْئًا وَّقِیْلَ ادْخُلَا النَّارَ مَعَ الدّٰخِلِیْنَ وَضَرَبَ اللّٰہُ مَثَلًا لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوا امْرَاَتَ فِرْعَوْنَ اِذْ قَالَتْ رَبِّ نَجِّنِیْ مِنْ فِرْعَوْنَ وَعَمَلِهٖ وَنَجِّنِیْ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ"۔

اللہ تمھارے سامنے کافروں کی مثال بیان کرتا ہے۔ عورتیں وہ بھی ہیں کہ جو کفر کی مثال بنا کے پیش کی جائیں۔ ایک عورت تھی نوح کی ایک عورت تھی لوط کی اور یہ دونوں ہمارے صالح بندے تھے، ان دونوں کی عورتوں نے خیانت کی۔ اچھا خیانت کے کوئی اور معنی نہ سمجھ لینا۔ تفسیر میں یہ لکھا ہے کو شوہر تبلیغ کا جو منصوبہ رات کو پرائیوٹ بناتا تھا، یہ بیبیاں چپکے سے قوم میں اسے عام کر دیتی تھیں۔ سمجھ میں آ گیا کہ خیانت کیا ہے؟ تو انہوں نے خیانت کی۔ تو یہ دونوں نوح اور لوط ہماری بارگاہ میں آئے کہ پروردگار ہماری بیبیوں کو معاف کر دے۔ ہم نے نبی کی بیوی کے حق میں نبی کی سفارش ٹھکرا دی اور پھر ہمارے فرشتوں نے کہا کہ جاؤ تم دونوں جہنّم میں داخل ہونے والوں کے ساتھ جہنّم میں داخل ہو جاؤ۔ اور اب اللہ مومنوں کے لئے ایک مثال بیان کرتا ہے۔ ایک عورت تھی فرعون کی۔ کافروں کے لئے مثال ملی وہ بھی عورت، مومنوں کے لئے مثال ملی وہ بھی عورت۔ کیا عجیب و غریب مرحلہ ہے، پروردگار یہ آسیہ فرعون کی بیوی جس کے لئے تو کہہ رہا ہے۔ "ضَرَبَ اللّٰہُ مَثَلًا لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوا امْرَاَتَ فِرْعَوْنَ"۔ مومنین سُنیں۔ مومنین آسیہ کو اپنے ایمان کو معیار بنا کر دیکھیں۔ ٹھیک ہے۔ "اِذْ قَالَتْ رَبِّ نَجِّنِیْ مِنْ فِرْعَوْنَ وَعَمَلِهٖ"۔ پروردگار مجھے فرعون سے بچالے، مجھے فرعون کے عمل سے بچالے۔ "وَنَجِّنِیْ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ"۔ اور پروردگار مجھے ظالموں سے

بچائے، اچھا، بی بی آسیہ، دعا مانگ رہی ہو کہ فرعون سے اللہ تمہیں بچا لے۔ دعا مانگ رہی ہو چھوڑ کے چلی جاؤ۔ چھوڑ دو، دعا مانگنے کی بات کیا ہے۔ کہا، نہیں، مجھے تو کوئی کام کرنا ہے۔ مجھے فرعون کے گھر میں رہ کے کوئی کام کرنا ہے۔ چھوڑ بھی نہیں سکتی اور فرعون کے عمل پر راضی بھی نہیں ہو سکتی۔ اچھا، نہ چھوڑو اور فرعون کے عمل پر راضی بھی نہ ہو۔ کم سے کم اپنے ایمان کا اعلان تو کر دو۔ کہا، میں اگر ایمان کا اعلان کروں تو فرعون قتل کر دے گا۔ پھر پوچھوں کہ بی بی کیا شہادت سے بچ رہی ہو؟ جواب ہوگا، ''بچنا کیسا شہادت اور ہے، میں اور ہوں، جو بھی اللہ کی راہ میں گردن دے دے وہ شہید ــــ تو شہادت تو بہت آسان ہے لیکن نبی کو پالنا آسان نہیں ہے۔''

نبی کی پرورش کرنا ہے، نبی کی تربیت کرنی ہے تو عورت اتنی محترم، عورت اتنی مقدس کہ نبی کی تربیت کے لئے اسے فرعون کے گھر میں رکھا گیا۔ بھئی عورت سمجھ میں آ رہی ہے؟ اب زیادہ زحمتِ سماعت نہیں دوں گا اب گفتگو یہیں سے آگے بڑھ جائے گی۔ تاریخ کا ایک چھوٹا سا واقعہ۔ ایک جلیل القدر صحابیہ۔ بھئی عجیب و غریب واقعہ ہے۔ اُحد کی جنگ میرے سارے دوستوں کو یاد ہوگی، یاد ہے نہ؟ مشہور واقعہ ہے، احد کی جنگ میں صحابیٔ رسولؐ کا کردار دیکھو ــــ کیا عظیم الشّان کردار ہے اور سنو گے تو حیران رہ جاؤ گے۔ احد کی جنگ میں جب بھگدڑ مچی تو ابلیس نے کسی طرف سے یہ آواز دی کہ ''اِنَّ محمّد اً قد قُتِل'' محمدؐ قتل ہو گئے۔ احد کا میدان شہر مدینہ سے بہت دور نہیں ہے۔ شہر سے ملا ہوا اُحد کا میدان ہے۔ رسولؐ قتل ہو گئے۔ یہ خبر شاہزادی فاطمہ زہراؑ کے کان تک آئی۔ گھبرا گئیں، مرد کوئی موجود نہیں کہ اسے بھیج کے خیریت معلوم کریں۔ اُدھر سے ایک صحابیہ گزر رہی تھی، انصار کی عورت۔ اس نے جو دیکھا کہ فاطمہ زہراؑ دروازے کا پردہ تھامے ہوئے کھڑی ہیں۔ کہا، بی بی خیر تو ہے آپ اور دروازے پر؟ اس ایک جملے نے فاطمہ زہراؑ کا کردار بتلا دیا۔ ''آپ اور دروازے پر۔'' کہا کہ ہاں، میدان اُحد سے خبر آئی ہے کہ بابا شہید ہو گئے ــــ یہ نہیں معلوم کہ سچّی ہے یا جھوٹی۔ کہا، آپ اطمینان سے اپنی جگہ بیٹھیں میں احد کے میدان میں جاتی ہوں اور خبر لے کر آتی ہوں۔ گئی۔ صحابیہ ہے صحابیہ قدر کرو عورت کی۔ اس کے گھر سے تین مرد گئے تھے

میدان میں، شوہر، بھائی، بیٹا۔ جب وہ میدان میں آئی تو اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کس سے پوچھے رسول کے متعلق۔ سب سے پہلے بیٹے پر نگاہ پڑی، بیٹا خوش ہو گیا کہ اماں، آپ میرے آخری وقت میں آ گئیں میرا سر اپنے زانو پر تو لے لیں۔ کہا، خبردار ــــ مجھے رسولؐ کی خیریت شہزادی فاطمہ زہراؑ کو پہنچانی ہے۔ میرے پاس اتنا وقت نہیں ہے۔ آگے بڑھی، بھائی نے پکارا، بہن ذرا یہ وصیت میرے گھر تک پہنچا دینا۔ کہا اپنے پاس رکھو وصیت، یہ بتاؤ رسولؐ کدھر ہیں۔ اس نے کوئی جواب نہ دیا۔ آگے اس کا شوہر زخمی پڑا تھا، اس نے کہا، بی بی، وصیت تو سن لے اپنے متعلق، کہا نہیں سننا ہے۔ بس اتنا بتاؤ میرا رسولؐ کیسا ہے؟ کہا، بی بی اب تک تو تمھارا رسولؐ خیریت سے ہے۔ کہا سچ کہتے ہو، کہا کہ ہاں مجھے معلوم ہے، رسولؐ بچ گئے۔ اب رک کے وصیت سن لو۔ کہا کہ نہیں، میں پہلے رسولؐ کے بچنے کی مبارک باد اپنی شہزادی فاطمہ زہراؑ کو دے آؤں۔ مدینے واپس آئی۔ واپس آ کے دروازے پر کھڑی ہوئی اور کہا بی بی مبارک ہو آپ کے بابا سلامت ہیں۔ فاطمہ زہراؑ دوڑتی ہوئی پھر دروازے کے قریب آئیں اور کہا، ذرا دیر رک کر تفصیل تو بتا دے۔ کہا کہ نہیں بی بی مجھے پھر میدان میں جانا ہے۔ کہا کیا کرے گی؟ کہا میرا بیٹا بھی زخمی ہے، میرا شوہر بھی زخمی ہے میرا بھائی بھی زخمی ہے اور میں چاہتی ہوں کہ اب ان کی تیمارداری کروں۔ جو واجب تھا وہ میں نے پورا کیا۔ یہ کام واجب تھا یہ میں نے پورا کیا۔ صحابیہ جانتی ہے کہ اجرِ رسالت یہی ہے۔ پلٹی جب میدان میں آئی۔ دیکھا بیٹا مر چکا ہے، بھائی کے پاس پہنچی، دیکھا بھائی مر چکا ہے، شوہر کے پاس پہنچی، دیکھا شوہر مر چکا ہے۔ تو کسی نے طنز کیا کہ اور جاؤ۔ اور جاؤ خبر پہنچانے کے لئے۔ کہا، خدا کی قسم مجھے ان کے مرنے کا غم نہیں ہے، خوشی اس بات کی ہے کہ مجھے رسولؐ کی حفاظت کی خبر رسولؐ کی بیٹی تک پہنچانی تھی وہ پہنچا دی۔ احد کے میدان میں دو کردار۔ ایک عورت وہ جو رسولؐ کی خیریت معلوم کرتی پھرے اور ایک مرد وہ کہ جو اپنی حفاظت میں رسولؐ کی فکر نہ کرے۔''

اب پہچانو عورت کے مقام کو، اب پہچانو عورت کی حیثیت کو۔ اب پہچانو عورت کے معیار کو۔ عورت ہے جو رسولؐ کی حفاظت کی فکر کر رہی ہے، مرد نہ کریں یہ اور بات ہے۔ جب بھگدڑ مچی

اُحد کے میدان میں تو کچھ لوگ یہ کہہ کے گئے کہ جب نبیؐ ہی نہ رہے تو جان دینے سے فائدہ کیا ہے۔ بھئی بات میں وزن تو ہے۔ کتاب لایا نبیؐ، دین لایا نبیؐ، شریعت لایا نبیؐ۔ ٹھیک ہے نہ؟ اچھا جنگ ہو رہی ہے نبیؐ سے، جب نبیؐ ہی نہ ہو تو فائدہ کیا ہے اس جنگ کا؟ سبب جنگ نبیؐ ہے۔ جب وہی نہ رہا تو اب مرنے سے فائدہ کیا ہے؟ خدا کی قسم، ایک پورا گروہ کہہ رہا تھا کہ جب نبیؐ نہ رہے تو مرنے سے فائدہ کیا ہے۔ اور کسی ایک نے کہا، نبیؐ نہ رہے تو جینے سے فائدہ کیا ہے؟ یہ کہہ کر بھیڑ کو ڈھکیلتا ہوا اس گڈھے تک پہنچا، جس گڈھے میں نبیؐ تھے۔ یاد ہے نہ کہ جب گھمسان کا رن پڑا تھا تو پیغمبرؐ اپنی سواری پر تشریف فرما تھے، ایک مشرک نے ایک بڑا پتّھر پھینکا پیغمبرؐ کی طرف اور وہ پتّھر پیغمبرؐ کے دہنِ مبارک پر لگا اور اس پتّھر کے لگنے سے پیغمبرؐ اکرم کے دو دانت شہید ہوئے اور اسی صدمے سے آپ تھوڑی دیر کے لئے نیچے ایک گڈھا تھا، اس گڈھے میں پوشیدہ ہو گئے۔ تھوڑی دیر کے لئے پیغمبرؐ چھپ گئے۔ اب آواز بلند ہوئی کہ محمدؐ قتل ہو گئے۔ اب اہلبیتؑ سمجھ میں آئے؟ اگر ہادی غیبت میں چلا جائے تو وہ سمجھتا ہے کہ مر گئے۔

تو پیغمبرؐ، گہرے گڈھے میں ہیں۔ اور وہ کہ جس نے کہا تھا کہ جب نبی نہ رہے تو جینے سے فائدہ کیا ہے، فوجوں کو ڈھکیلتا ہوا۔ بھیڑ کو ہٹاتا ہوا ایک مرتبہ اس گڈھے کے قریب پہنچا۔ گڈھے میں رسولؐ کو دیکھا، دیکھا کہ زخمی ہیں، کود گیا گڈھے میں، اور دونوں ہاتھوں سے نبیؐ کو اٹھا کر اپنی پُشت پر لادا اور اس کے بعد باہر نکلا اور باہر نکلنے کے بعد نبیؐ کو دونوں ہاتھوں پر بلند کیا اور کہا کہاں بھاگ رہے ہو؟ رسول اللہ زندہ ہیں۔ یا رسول اللہ! علیؑ نے ہاتھوں پر بلند کر کے آپ کی رسالت کا تعارف کرا دیا۔ آپ اُجرت کیا دیں گے۔ کہا مت گھبراؤ غدیر کا دن آنے دو، جب تو بھی کہ ہاتھوں پر اُٹھا لوں گا۔

فضائل جاگیر نہیں ہے مرد کی۔ فضائل جاگیر ہے روح کی۔ روح مرد میں بھی ہے روح عورت میں بھی ہے۔ حُرّہ حلیمہ سعدیہ کی بیٹی حجاج کے دربار میں آئی۔ وہ حجاج جو دن بھر میں سو پچاس قتل کئے بغیر چین نہیں لیتا تھا ـــــ حُرّہ لائی گئی تھی قتل کرنے کے لئے، ایک مرتبہ حجاج نے تلوار کھینچ لی اور سامنے رکھ دی اور کہا، حُرّہ میں نے سُنا ہے کہ تو علیؑ کو دوسروں پر ترجیح دیتی ہے۔ کہا، خدا کی قسم غلط ہے۔

کہا پھر صحیح کیا ہے؟ کہا صحیح یہ ہے کہ میں علی کو انبیاء پر ترجیح دیتی ہوں۔ بس یہ سُننا تھا کہ حجاج نے تلوار اٹھائی اور پھر رکھ دی۔ کہا اگر ثابت نہ کر سکی تو سرِ دربار تیری گردن کٹوا دوں گا۔ کہا ثابت کروں؟ وہ آدم تھے کہ منع کرنے کے باوجود گیہوں کھا گئے۔ اور یہ مولا ہے کہ اللہ نے منع نہیں کیا تھا لیکن زندگی بھر گیہوں نہیں کھایا یہ کہہ کے چونکہ میں فرزندِ آدم ہوں اس لئے نہیں کھاؤں گا۔ وہ آدم تھے، یہ میرا مولا ہے ـــــ اور ابراہیم تھے جو یہ کہہ رہے تھے کہ پروردگار قلب میں اطمینان نہیں ہے، ایک میرا مولا ہے جو یہ کہہ رہا ہے کہ اگر پردے ہٹ جائیں تو یقین میں اضافہ نہیں ہو گا۔ بھرے دربار میں گفتگو ہو رہی ہے۔ کہا، امیر سُن، وہ موسیٰؑ تھے کہ جب اللہ نے کہا جاؤ نبوت کا اعلان کرو تو کہنے لگے پروردگار میں نے ان کا ایک آدمی قتل کر دیا تھا کہیں ایسا نہ ہو کہ جب میں جاؤں تو وہ مجھے قتل کر دیں۔ یہ منزل ہے موسیٰ جیسے اولوالعزم نبی کی۔ کہنے لگی سنو۔ وہ نوح اور لوط تھے کہ قرآن میں ارشاد ہوا ضَرَبَ اللّٰہُ مَثَلاً اِمرَاَۃَ نُوحٍ وَامرَاَتَ لُوطٍ۔ یہ نوح اور لوط کی بیویاں ہیں۔ اور میرے مولا علیؑ کی بیوی؟ "اِنَّمَا یُرِیدُ اللّٰہُ"، کہنے لگی کہ وہ عیسیٰ تھے کہ جب دار پر چڑھائے گئے تو کہنے لگے کہ پروردگار مجھے تو نے کیوں چھوڑ دیا۔ گھبرا گئے دار پر۔ اور وہ میرا مولا تھا کہ جب سر پر ضربت لگی تو اس نے کہا، کعبے کی رب کی قسم میں کامیاب ہوا۔ تو بات شروع کی۔ یہ آدم، یہ نوح، یہ ابراہیم یہ لوط، یہ موسیٰ، یہ عیسیٰ۔ حجاج گھبرا گیا، کہا بس اَب چُپ ہو جا، آگے محمدؐ ہیں۔ کہا میں چُپ نہیں ہوں گی۔ سنو۔ مباہلہ کی رو سے علیؑ نفس محمدؐ ہیں۔

گفتگو تمام ہوئی۔ نفس محمدؐ ہیں، ساری خوبیاں نفسِ محمدؐ ہونے کی وجہ سے ہیں۔ جب مامون رشید نے آٹھویں امام سے پوچھا کہ کیا آپ کو "ابنائنا" پر ناز ہے کہ آپ رسولؐ کے بیٹے ہیں؟ کہا، نہیں۔ کہا کہ پھر "نسائنا" پر ناز ہو گا کہ آپ جدہ ماجدہ مباہلے میں گئی تھیں؟ کہا اس پر بھی ناز نہیں ہے۔ مامون رشید گھبرا کے کہنے لگا کہ فرزندِ رسول پھر ناز کس بات پر ہے؟ کہا، "اَنفُسَنا" پر ناز ہے۔ اگر پہلا نفس رسولؐ تھا تو یہ آٹھواں بھی نفسِ رسولؐ ہے۔"

حلم رسولؐ، علم رسولؐ، غیب رسولؐ، شرافت رسولؐ، رسولؐ کا جود، رسول کی سخا، رسولؐ کا

کرم کوئی شئے ایسی نہیں ہے جس کی وراثت آلِ محمدؐ کے پاس نہ ہو۔ کیوں اس لئے کہ نفسِ محمدؐ ہیں۔ اگر رسولؐ قیامت تک دیکھیں تو ہر امامؑ قیامت تک دیکھے۔ حسنؑ مجتبیٰ کو معلوم تھا کہ حسینؑ پر کربلا میں کیا مصیبت آنے والی ہے، بچّے کو تعویذ لکھ کر دے دیا۔

بس میرے دوستو، میرے عزیزو، میرے بزرگو! یہ ساتویں محرّم کی جو تاریخ ہے، اس سے دو مصیبتیں منسوب ہیں۔ ابنِ زیاد کا حکم سات محرّم کی صبح کو آیا تھا کہ حسینؑ پر پانی بند کر دیا جائے۔ حسینؑ کے بچّوں پر پانی بند کر دیا جائے۔ یہ پیاس، چھوٹی مصیبت نہیں ہے۔ حسینؑ نے سیّد سجّاد کو جو وصیّتیں کی تھیں ان میں ایک وصیّت یہ بھی تو تھی کہ بیٹے جب واپس ہو کر مدینے جانا تو ہمارے چاہنے والوں کو ہمارا اسلام کہنا اور اُن سے یہ بھی کہنا کہ کاش میرے چاہنے والو، تم عاشور کے دن ہوتے تو دیکھتے کہ چھوٹے بچّے کے لئے میں کیسے پانی مانگ رہا ہوں اور جواب میں کس طرح سے تیرِ ظلم چل رہے ہیں۔ تو ایک نسبت اس تاریخ کی پیاس سے ہے۔ دوسری نسبت حسنؑ کے شہزادے قاسم سے ہے۔ قاسم حسنؑ کا بیٹا ہے اور یتیم ہے۔ کہیں حسن کو یہ شکایت نہ ہو جائے کہ کیا میرا بیٹا رونے کے قابل نہیں تھا' لہٰذا اگر یہ میں کوئی کمی نہ ہونا چاہیے۔ حسینؑ نے اپنے ہاتھوں سے عمامہ پہنایا۔ اپنے ہاتھوں سے قبا پہنائی، اتنا چھوٹا بچہ تھا کہ رکابیں کاٹ کے برابر کی گئیں۔ اور ایک مرتبہ حسینؑ نے قاسم کو اپنے ہاتھوں سے اٹھا کر گھوڑے پر بٹھایا۔ سر سے پاؤں تک دیکھا اور فرمایا فی امان اللہ قاسم۔ قاسم چلے، حملہ کیا، فوجوں میں بھگدڑ مچی، ایک مرتبہ قاسم نے دیکھا کہ پسرِ سعد چترِ زرّیں کے نیچے بیٹھا ہوا ہے اور غُلام پنکھا جھَل رہے ہیں، بس اس منظر کا دیکھنا تھا کہ ایک مرتبہ حملہ کیا پسر سعد کے لشکر پر، فوجیں اِدھر اُدھر منتشر ہونے لگیں۔ پسر سعد نے کہا' یہ حسنؑ کا بچّہ ہے۔ ایک ایک کر کے لڑو گے تو سب قتل کر دئے جاؤ گے۔ چاروں طرف سے گھیر کے حملہ کرو۔ قاسمؑ کو چاروں طرف سے گھیر لیا گیا۔ پسر سعد نے اپنے ایک مصاحب کو آواز دی کہ ذرا پیچھے سے جا۔ دشمن پیچھے سے کمیں گاہ میں پہنچا اور تلوار اُٹھی۔ تلوار سر پر لگی۔ شہزادہ زمین پر آیا۔

ایک مرتبہ آواز دی "واعمّاہ ادرکنی"، چچا میری مدد کو آیئے۔ بھئی سننا، کچھ کہنا چاہ رہا ہوں۔ فوج میں گھوڑوں کی آوازیں ہیں۔ تلوار کی جھنکار ہے، دشمنوں کے نعرے ہیں۔ شور ہے۔ اور اس شور میں ایک ہلکی سی آواز۔ چچا میرے سینے پر ٹاپیں پڑ رہی ہیں، چچا میرے سینے پر ٹاپیں پڑ رہی ہیں۔ بس یہ سُننا تھا کہ ایک مرتبہ حسینؑ سرہانے بیٹھ گئے۔ قاسم اس سے زیادہ مصیبت کیا ہو گی کہ بھتیجا مدد مانگے اور چچا مجبور ہو۔"

———✻———

(آٹھویں مجلس)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

"وَالْعَصْرِ، اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ، اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ
وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ، وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ۔"

عزیزان محترم۔ انسان معاصر اور قرآن کے عنوان سے ہم نے جس سلسلۂ گفتگو کا آغاز کیا تھا وہ سلسلۂ گفتگو آہستہ آہستہ اپنے اختتامی مرحلوں سے قریب ہوا ہے۔ اب تک ہم نے جو گفتگو کی اس میں اس بات کو سمجھنے کی کوشش کی کہ انسان کیا ہے اور انسان کا مقصدِ تخلیق کیا ہے؟ عجیب بات یہ ہے کہ پروردگار عالم نے ہدایت کے لئے دو الگ الگ اور مسلسل بندوبست فرمائے۔ انسانی دماغ میں جو صلاحیتیں ودیعت کی گئیں وہ صلاحیتیں کیا ہیں؟ اگر ان پر نگاہ ہو تو پھر بات آگے جا سکتی ہے۔ انسانی دماغ کو پروردگار نے جو صلاحیتیں عطا کیں، سوچنا، سمجھنا، یاد رکھنا، خواب دیکھنا اور مختلف چیزوں کو جوڑ کر ایک نئی شکل بنا لینا۔ بزرگ تو جانتے ہیں لیکن نوجوان پوچھیں گے کہ یہ ہوا کیا؟ مختلف چیزوں کو جوڑ کر ایک ہی شکل کا بنا لینا؟ اس کی ایک مثال دے دوں اور یہیں سے بات آگے بڑھ جائے۔ مثلاً سونے کا پہاڑ۔ کبھی دیکھا ہے سونے کا پہاڑ؟ دیکھا تو نہیں، یہ دماغ میں کیسے آیا سونے کا پہاڑ۔ بھئی سونا آپ نے الگ دیکھا، پہاڑ الگ دیکھا۔ اور دونوں کو جوڑ کر ایک نئی چیز بنا لی۔ تو یہ کام ہے دماغ کا۔ سوچے۔ سمجھے، یاد رکھے، خواب دیکھے اور مختلف چیزوں کو جوڑ کر ایک نئی صورت اپنے ذہن میں پیدا کرے۔ اگر یہ بات واضح ہو گئی تو یہیں سے حواس کی طرف گفتگو چلی جائے گی کہ آنکھ کا کام ہے دیکھنا، کان کا کام ہے سننا، زبان کا کام ہے چکھنا، ناک کا کام ہے سونگھنا، ہاتھ کا کام ہے لمس کرنا، چھونا۔ آنکھ دیکھے گی سن نہیں سکتی۔ کان سنے گا دیکھ نہیں سکتا، زبان ذائقہ چکھے گی، یہ سن سکتی ہے نہ دیکھ سکتی ہے۔ ہاتھ لمس کرے گا، نہ ذائقہ چکھ سکتا ہے نہ سن سکتا ہے

نہ دیکھ سکتا ہے۔ یعنی میں کہنا یہ چاہ رہا ہوں کہ آنکھ کے لئے دیکھنا حاضر ہے۔ سننا غائب ہے۔ آنکھ کے لئے دیکھنا حضور ہے، سننا غیب ہے، کان کے لئے سننا حضور ہے دیکھنا غیب ہے۔ ناک کے لئے سونگھنا حضور ہے دیکھنا اور سننا غیب ہے۔ یعنی جتنا حضور ہے غیب اس سے کہیں زیادہ ہے۔ حقیقت یہی ہے اچھا تو ان حسوں سے تم کام لے رہے ہو۔ آنکھ سے دیکھ رہے ہو۔ کان سے سن رہے ہو، ہاتھ سے چھو رہے ہو، ناک سے سونگھ رہے ہو۔ زبان سے چکھ لیتے ہو۔ لیکن بعض حقیقتیں اس دنیا کی ایسی بھی ہیں جو نہ آنکھ کے دائرے میں آتی ہیں نہ کان کے دائرے میں آتی ہیں۔ نہ چھوئی جا سکتی ہیں، نہ سونگھی جا سکتی ہیں۔ مثلاً۔ دو کو اگر دو کے ساتھ جمع کرو تو چار ہو جائیں۔ یہ آنکھ نے بتایا کہ کان نے؟ ایک کو ایک کے ساتھ جمع کر دو دو ہو جائیں گے ایک وقت میں دن اور رات جمع نہیں ہو سکتے۔ یہ وہ حقائق ہیں جو سب کو تسلیم ہیں۔ لیکن ان حقائق کو تم نے آنکھ سے دیکھا، کان سے سنا، زبان سے چکھا؟ کیا کیا ہے؟ بھئی کیسے معلوم کہ ایک کو ایک کے ساتھ جمع کر دو تو دو بن جائیں اور دو کو دو کے ساتھ جمع کر دو تو چار بن جائیں گے، یہ تمھیں کیسے معلوم ہوا؟ تو اسے نہ آنکھ نے تبلایا نہ کان نے تبلایا نہ ناک نے تبلایا نہ ہاتھوں نے تبلایا۔ اسے تبلایا عقل نے۔ اگر جمع کا طریقہ عقل تبلائے تو تسلیم کرتے ہو۔ حالانکہ آنکھ سے نہیں دیکھا۔ دن اور رات ایک ساتھ جمع نہیں ہو سکتے۔ اسے عقل نے تبلایا تو تم تسلیم کرتے ہو تو سارے غیب تمھیں تسلیم ہیں حواس خمسہ کے بغیر۔ اور ایک اللہ پر اعتراض ہے کہ اگر نظر نہ آئے تو نہیں مانیں گے۔ سنو۔ ایک اللہ پر اعتراض ہے کہ اللہ اگر آنکھ سے نظر نہ آئے تو ہم اسے نہیں مانیں گے۔ تو ساری دنیا کو آنکھ سے دیکھ رہے ہو۔ تمھیں بڑا ناز ہے اپنی آنکھ پر؟ اور دعویٰ یہ کر رہے ہو کہ جو چیز آنکھ سے نظر نہیں آتی اس کا وجود نہیں ہے۔ یورپ کے بڑے بڑے دانشوروں نے یہ دعویٰ کیا۔ بتاؤں۔ تم نے سورج دیکھا، تم نے چاند دیکھا اپنی آنکھوں سے۔ تم یہ مجمع دیکھ رہے ہو اپنی آنکھوں سے، تم نے دن دیکھا اپنی آنکھوں سے، تم نے رات دیکھی اپنی آنکھوں سے۔ ذرا اپنی آنکھوں کو اپنی آنکھوں سے دیکھ کر بتا دو ___ کہا یہ تو ممکن نہیں ہے۔ اپنی آنکھ کو اپنی آنکھوں سے دیکھنا ممکن نہیں ہے۔ تو تم جس سے دیکھ رہے ہو

خود اسی کو نہیں دیکھ سکتے؟ اچھّا اب طریقہ میں بتاتا ہوں دیکھنے کا؟ تمھارے پاس کوئی جواب نہیں ہے۔ تو اب طریقہ کیا ہے؟ طریقہ یہ ہے کہ آئینہ لے لو اس میں تمھاری آنکھیں نظر آجائیں گی۔ سمجھ گئے نہ بات کو۔ جب اپنی آنکھ کو نہیں دیکھ سکتے تو کائنات کے خالق کو کیا دیکھو گے ــــــ تو آنکھ کے دیکھنے کا کُل ایک طریقہ ہے اور وہ یہ ہے کہ آئینہ لے لو۔ آئینے میں جب دیکھو گے تو آنکھیں نظر آجائیں گی۔ تو معلوم یہ ہوا کہ جو شئے نہ دیکھی جاسکے وہ آئینے سے دیکھی جائے۔ اب پروردگار نے کہا، مجھے تو دیکھ نہیں سکتے، اپنی صفات کے ایسے آئینے بنادوں گا کہ اگر انھیں دیکھا تو مجھے دیکھا۔ کان ہوں گے اُذن اللہ، آنکھیں ہوں عین اللہ، ہاتھ ہوں گے ید اللہ اور نفس ہو گا نفس اللہ۔ اچھّا ــــــ تو اب پروردگار نے دو حجّتیں تمام ہوگئیں تو قرآن نے اعلان کیا۔ ہم نے بشارت دینے والے رسُول بھیجے، ہم نے نذارت کرنے والے رسُول بھیجے تاکہ کوئی یہ نہ کہہ سکے کہ اللہ نے اپنی حجّت تمام نہیں کی تھی۔ دیکھو۔ آنکھ دے دی، کان دے دئے، حواس خمسہ تمھیں عطا کردئے اور پھر اس کے بعد اکتفا نہیں کی، عقل دی جو ڈو کو ڈو میں جوڑے تو چار بن جائے۔ عقل دی۔ اور اس پر بھی اکتفا نہیں کی۔ عقل کے متعلق سُنتے جاؤ۔ عجیب چیز ہے عقل۔ جیسے دن کا اپوزٹ ہے رات، رات کا اپوزٹ ہے دن، خیر کے مقابلے میں ہے شر، شر کے مقابلے میں ہے خیر۔ کیا خیال ہے عقل کے مقابلے میں کیا ہونا چاہیے۔ کیا خیال ہے آپ کا؟ کہہ دیجئے عقل کے مقابلے میں بے عقلی۔ عجیب بات ہے۔ بھئی ایک بات سُنتے جاؤ اور اسے یاد رکھو۔ دُنیا میں مسلمانوں نے حدیث کی جتنی کتابیں جمع کی ہیں۔ ان کتابوں کا آغاز کیا ہے ابتدائے وحی سے۔ اور ہماری جتنی کتابیں حدیث کی جمع ہوئیں ان کا آغاز ہے عقل سے۔ کتاب العقل سے آغاز ہے۔ اصول کافی محمد ابن یعقوب کلینی رحمۃ اللہ کی مشہور حدیث کی کتاب ہے پہلا باب کتاب العقل۔ اور پہلی حدیث۔ اللہ نے عقل کو خلق کیا تو جہل خود بخود خلق ہوا۔ اللہ نے عقل کو بُلایا اور بلانے کے بعد کہا آگے آؤ۔ عقل آگے آگئی۔ جہل اپنے مقام پر کھڑا رہا۔ کہا، پیچھے ہٹو۔ عقل پیچھے ہٹ گئی، جہل اپنے مقام پر کھڑا رہا۔ تو ایک مرتبہ پروردگار نے کہا، اے عقل میں نے یہ طے

کیا ہے کہ تیری بنیاد پر سزا دوں گا، تیری بنیاد پر جزا دوں گا اور یہ قیامت تک کے لئے ملعون ہوگا۔ تو عقل کا اپوزٹ بے عقلی نہیں ہے۔ عقل کا اپوزٹ جہالت ہے ــــــ عقل کا مقابل بے عقلی نہیں ہے، حماقت نہیں ہے، جہالت۔ عقل کو کہا آگے آجا۔ آگئی۔ عقل سے خدا نے کہا پیچھے ہٹ جا ہٹ گئی۔ جہل سے کہا آگے آ، وہیں کھڑا رہا۔ جہل سے کہا پیچھے جا، وہیں کھڑا رہا۔ تو اب سمجھ میں آیا جو مکمّل اطاعت کرے وہ عاقل ہے، جو حکمِ خدا پر اَڑ جائے وہ جاہل ہے۔ ایک طرف فرشتوں کو دیکھو اور دوسری طرف ابلیس کو دیکھو ــــــ"

پروردگار نے حواس ظاہری کے ذریعہ حجّت تمام کی اور پھر عقل دے کر حجّت تمام کی اور اس کے بعد فرمایا، ہم نے رسول بھیجے بشارت دینے والے، نذارت کرنے والے، تاکہ انسان ہم پر حجّت تمام نہ کرسکے کہ پروردگار تو نے ہدایت سے محروم رکھا۔ تو اب عقل اور حواس کے بعد لگاتار رسول بھیجے، ہم نے مسلسل رسول بھیجے۔ رسول آتے رہے اور اب قرآن نے جو آواز دی اس کا ترجمہ سنئے۔ اے انسانوں اور اے جنوں، سنو، کیا ہم نے تمھارے پاس رسول نہیں بھیجے، کیا تم پر رسول ہم نے نہیں بنائے۔ یعنی انسانوں پر الگ رسول بنائے، جنوں پر الگ رسول بنائے ــــــ پھر سنو۔ اے انسانوں، اے جنوں! کیا میری طرف سے تمھارے پاس رسول نہیں آئے جو تمھیں میں سے تھے۔ انسانوں کا الگ رسول، جنوں کا الگ رسولؑ۔ قیامت کے دن جنّات بھی کہیں گے، انسان بھی کہیں گے پروردگار تو سچ کہہ رہا ہے ہمارے پاس رسولؐ آئے تھے۔ لیکن پروردگار ہم اپنے نفسوں کے خلاف گواہی دیتے ہیں۔ ہم نے اِن رسولوں کی بات نہیں سُنی۔ اور اب قرآن نے آگے بڑھ کر پھر کہا۔" اگر سارے جنّات اگر سارے انسان مل کر قرآن کا جواب لکھنا چاہیں تو قرآن کا جواب ممکن نہیں ہے۔ یعنی اب جو کتاب آئی وہ جناتوں کے لئے بھی ہے انسانوں کے لئے بھی ہے۔" قرآن جن کے لئے بھی ہے انسان کے لئے بھی ہے اور اب رسُول نے کہا۔ " انا رسول الثقلین" میں جنوں کا بھی رسول ہوں میں انسانوں کا بھی رسول ہوں ــــــ "اِنّی تارک فیکم الثقلین" والا ثقلین دوسرا ہے، یہاں ثقلین کے معنی جن و انس کے ہیں۔ سنو۔ " اِنا رسول الثقلین"۔ بھئی رُکے رہنا۔

اس لئے اس مرحلے پر کسی مسئلے کو حل کرنا ہے۔ "اِنَّا سمعنا قرآناً عجباً فامنّا بِہ" جنوں کے گروہ نے کہا کہ ہم نے بڑا عجیب قرآن سُنا اور جب یہ عجیب قرآن سُنا تو ہم اس پر ایمان لے آئے تو اب جنوں کا ایمان بھی قرآن پر انسانوں کا ایمان بھی قرآن پر۔ جن بھی قرآن مانیں، انسان بھی قرآن مانیں اور رسول، رسول الثقلین۔ جنوں کا بھی رسولؐ انسانوں کا بھی رسولؐ۔ میرے نبیؐ نے کہا، میں جنوں کی طرف بھی مبعوث ہوا ہوں، انسانوں کی طرف بھی مبعوث ہوا ہوں تو اب دو چیزیں ہیں۔ ایک کتاب ہے۔ ایک رسولؐ ہے۔ رسولؐ جنوں کے لئے بھی ہے انسانوں کے لئے بھی ہے، کتاب جنوں کے لئے بھی ہے، انسانوں کے لئے بھی ہے تو وہ رسالت۔" بھئی پہنچ گئے۔ پھر سُننا۔ میرا رسول، رسول الثقلین ہے۔ جنوں اور انسانوں کا رسول۔ "ٹھیک۔" میرے رسولؐ نے کہا میں جنوں کی طرف بھی مبعوث ہوا ہوں۔ قرآن کے لئے خود جن کا قول موجود ہے سورۂ جن میں، "اِنَّا سَمِعْنَا قُرآناً عَجَباً فَاٰمَنَّا بِہٖ" ہم نے بڑا عجیب قرآن سُنا اس سے پہلے ایسی کتاب نہیں سُنی تھی۔" فَاٰمَنَّا بِہٖ" ہم ایمان لے آئے کہ قرآن اللہ کی کتاب ہے۔ تو کتاب جنوں کے لئے بھی انسانوں کے لئے بھی، رسولؐ جنوں کے لئے بھی۔ تو اب رسولؐ اگر دُنیا سے چلا جائے تو اس کی جگہ کے لئے صرف انسان جمع ہو جائیں، یہ کون سی منطق ہے؟ اگر۔ اگر، جن و انس کا رسولؐ اپنی جگہ خالی کرے تو صرف انسان جمع ہو کے جانشین معین کرلیں یہ کہاں کی منطق؟ اب ایسے کو ڈھونڈ کے لاؤ، جو جنوں کے لئے بھی قابلِ احترام ہو انسانوں کے لئے بھی قابلِ احترام ہو۔ مجھے نہیں معلوم کہ ایسا کہاں سے لاؤ گے۔ لیکن امامِ شافعی نے چارؑ مصرعے کہے ہیں۔ جن کا مفہوم ہے کہ علیؑ کی محبّت سپر ہے، امام شافعی رحمۃ اللہ کہہ رہے ہیں کہ "علی حُبّہ جنّۃ" "علیؑ کی محبّت جہنّم اور میرے درمیان سپر ہے۔" قَسِیمُ النّارِ والجنّۃ "جنّت اور جہنّم کا تقسیم کرنے والا ہے علیؑ۔ دو مصرعے سُن لئے۔ کہنے لگے۔ "وَصِیُّ المصطفیٰ حَقّاً" خدا کی قسم علیؑ مصطفےٰ کا وصی ہے۔ تو میں پوچھوں امام شافعی سے کہ یہ قسم کھانے کی کیا ضرورت تھی؟ تو شاید جواب ہوگا کہ اگر لوگ منکر نہ ہوتے تو میں قسم نہ کھاتا۔ اور اب آخری مصرعہ۔" امامُ الانس والجنّۃ۔" جنوں کا بھی امام ہے انسانوں کا بھی امام ہے۔"

"رُسُلنا مُبَشِّرِیْنَ وَمنذِرِیْنَ" ہم نے ایسے رسولؐ بھیجے جو خوشخبری سُنانے والے ہیں جو ڈرانے والے ہیں۔ ہم نے اپنے رسول لگاتار بھیجے۔ وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِیْ کُلِّ اُمَّۃٍ رَّسُوْلاً اَنِ اعْبُدُوْا اللہ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغوت فَمِنْهُمْ مَّنْ هَدَی اللہ وَمِنْهُمْ مَّنْ حَقَّتْ عَلَیْهِ الضَّلٰلَۃُ فَسِیْرُوْا فِی الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا کَیْفَ کَانَ عَاقِبَۃُ الْمُکَذِّبِیْنَ ـــــ (سورہ نحل ۳۶)

ہم نے ہر قوم میں، ہر قبیلے میں، ہر علاقے میں اپنی طرف سے رسول بھیجے کہ اپنے خدا کی عبادت کرو اور اپنے نفس کی خواہشوں سے پرہیز کرو۔ کچھ ایسے بھی تھے جو رسولوں کی بات سن کر ہدایت پہ آگئے اور کچھ ایسے بھی تھے جو گمراہ ہوگئے۔" فَسِیْرُوْا فِی الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا کَیْفَ کَانَ عَاقِبَۃُ الْمُکَذِّبِیْنَ" جاؤ کھنڈرات دیکھو، قبریں کھودو، محلّات کھودو اور دیکھو کہ تکذیب کرنے والوں کا انجام کیا ہوا۔ بھئی ایسے بھی ہیں جن کی قبر پہ لوگ فاتحہ پڑھنے نہیں جاتے تماشہ کرنے جاتے ہیں۔"

تعریف کی۔ ہم نے ہر علاقہ میں، ہر قوم میں، ہر قبیلے میں، ہر گروہ میں رسول بھیجے اور اس کے بعد فرمایا، جو بھی ہمارے رسول کی اطاعت کرے اس نے اللہ کی اطاعت کی۔ یعنی جو کرے اس کی اطاعت کرو۔ رسول جو کہے اس کی اطاعت کرو۔" اقیموا الصلوٰۃ" کا حکم مجمل ہے قرآن میں۔ نماز پڑھو، قرآن میں مجمل ہے۔ کیسے پڑھو؟ یہ رسول بتلائے گا۔ حکم ہے قرآن میں، اے مسلمانوں ہم نے تم پر روزے کو واجب کیا۔ کیسے روزہ رکھو؟ یہ رسول بتلائے گا۔ ہم نے انسانوں پر حج کو واجب کردیا۔ کیسے حج کرے؟ یہ رسول بتلائے گا۔ تو کتاب کی کوئی بات تشریح رسولؐ کے بغیر ممکن نہیں ہے۔ تو اگر کتاب کو کافی سمجھتے ہو تو بتاؤ نماز کیسے پڑھو گے، روزہ کیسے رکھو گے، حج کیسے کرو گے، زکواۃ کتنی دو گے؟ تو دین آدھا ملے گا آدھا رہ جائے گا۔

اب میں یہیں سے آگے بڑھ جاؤں گا۔ اسی لئے پروردگار نے کہا کہ رسولؐ جو تمھیں دے دے وہ لے لو اور رسول جس سے روک دے اس سے رُک جاؤ۔ تو اب مجھے اتنا بتاؤ کہ رسولؐ جس سے روکے وہ کتاب میں تو ہے نہیں۔ بہت سیدھی سی بات ہے۔ کیا دیا رسول نے؟ کتاب میں نہیں ہے۔ کیا دیا رسول نے؟ کتاب میں نہیں۔ یہ سب کچھ ملے گا حدیث میں ـــــ اب میں

مَیں کتاب سے سنّت تک آگیا۔ قول رسولؐ۔ عمل رسولؐ یہ ملے گا سنّت میں۔ جیسی رسوؐل نماز پڑھے ویسی پڑھو۔ جیسا رسوؐل روزہ رکھے ویسا روزہ رکھو، رسوؐل جیسا حج کرے ویسا حج کرو۔ اب یہ تشریح آرہی ہے کتاب کی۔ نہیں رسوؐل جیسا پائجامہ پہنے ویسا پائجامہ پہنو۔ رسوؐل جیسے لنگی باندھے ویسے لنگی باندھو۔ رسوؐل اگر سُرمہ لگائے تو ویسا سُرمہ لگاؤ۔ رسوؐل اگر زُلفیں رکھّے، ویسی زُلفیں رکھّو۔ رسوؐل جیسی داڑھی رکھّے ویسی رکھّو۔ جب سنّت کے پابند ہو۔ یہ کیا کہ صرف مسواک میں پابندی یاد رہ گئی باقی سب کچھ بھول گئے۔

یہ منطق بھی قابلِ توجہ ہے کہ رسوؐل اگر اپنی اَولاد سے محبّت کرے تو یہ انسانی روّیہ ہے، ہم جیسا بشر ہے۔ ہم نے کہا، کیا نبیؐ نہیں ہے، کہا نعوذ باللہ، وہ ہم جیسا بشر ہے تو اس کا یہ مطلب تھوڑی ہے کہ وہ نبیؐ نہیں ہے، نبی ہے۔ ہم نے کہا، رسوؐل نہیں ہے، کہا، رسوؐل ہے، ہم نے کہا قرآن اس پر نازل نہیں ہوا، کہا ہوا۔ ہم نے کہا پھر؟ کہنے لگے بات صرف اتنی ہے کہ رسوؐل صرف تبلیغ کے وقت رسوؐل ہے، باقی وقتوں میں بشر ہے۔ اگر اولاد کی فضیلت بیان کرے، بشر ہے۔ اگر ناقہ بن جائے نواسوں کے لئے تو بشر ہے۔ بیٹی کی تعظیم کے لئے اگر کھڑا ہو جائے تو بشر ہے۔ بھائی کو کندھے پر بلند کرے، بشر ہے۔ تو جب قرآن بیان کرے، حدیث بیان کرے تو رسولؐ ہے۔ ٹھیک ہے نہ؟ باقی وقتوں میں بشر ہے۔ توجہ رکھنا۔ تو اَب وراثت رسوؐل کا فیصلہ رسالت سے نہیں ہوگا۔ بشریّت سے ہوگا۔ بس اب ہم بحث نہیں کریں گے۔ ہمیں کیا ضرورت ہے بحث کرنے کی۔ رسوؐل جب تبلیغ کر رہا ہو تو رسوؐل ہے باقی رسوؐل کی زندگی پرائیوٹ ہے تو اب رسوؐل کی وراثت ویسی ہو گی جیسی ہر باپ کی بیٹی کے لئے ہوتی ہے۔ تو یا رسالت بچالو یا اپنی روایت بچالو۔

پہنچ گئی بات؟ تو مان لو نہ، مان لو کہ رسوؐل جب وحی بیان کرے، شریعت بیان کرے، احکام بیان کرے، حلال بیان کرے، حرام بیان کرے اس وقت رسوؐل ہے اور باقی زندگی میں عام بشر ہے۔ ٹھیک۔ بڑا پڑھا لکھا اور بڑا بیدار مجمع میرے سامنے ہے میں اس مجمع سے پوچھنا چاہ رہا ہوں کہ بھئی رسوؐل —— اب ہم مانے لیتے ہیں، تھوڑی دیر کے لئے مان لیتے ہیں کہ رسوؐل جب قرآن

بیان کرے رسول ہے، جب حدیث بیان کرے رسوؐل ہے، جب حلالِ خدا بیان کرے رسول ہے، جب حرامِ خدا بیان کرے رسوؐل ہے۔ باقی زندگی میں، رسوؐل نہیں ہے۔ اچھّا اب یہ بتاؤ کہ رسوؐل جب حرام و حلال بیان کرے گا تو کہاں بیان کرے گا؟ سرکاری جگہ کیا ہے؟ سرکاری جگہ ہے منبر سرکاری جگہ ہے محراب، سرکاری جگہ ہے مسجد، سرکاری جگہ ہے میدانِ جنگ —— ہے یا نہیں؟ مجھے بتاؤ کہ میرے رسوؐل کی سرکاری جگہ کیا ہیں؟ دیکھو میری بھی ایک پرائیوٹ لائف ہے، میری بھی ایک پبلک لائف ہے، میری بھی ایک ذاتی جگہ ہے، میری بھی ایک سرکاری جگہ ہے۔ میری ذاتی جگہ میرا گھر ہے، میری سرکاری جگہ میرا منبر ہے۔ تو اَب تم نے رسوؐل کو دو خانوں میں بانٹ دیا۔ آدھا محمدؐ سرکاری ہے۔ آدھا، بلکہ آدھے سے زیادہ غیر سرکاری ہے۔ اچھا تو اب رسوؐل جب سرکاری بیان دے گا تو سرکاری جگہ سے دے گا نہ؟ سرکاری جگہ سے دے گا۔ اچھا تو رسوؐل کی سرکاری جگہ کیا ہے؟ اگر منبر سے کچھ کہے، سرکاری ہے، اگر محراب سے کچھ کہے، سرکاری ہے۔ اگر مسجد میں کچھ کہے، سرکاری ہے۔ اگر میدانِ جنگ میں کچھ کہے سرکاری ہے۔ سرکاری ہے یا نہیں ہے۔ اب فاطمہؑ آئیں اور رسوؐل مسجد میں کھڑا ہو گیا تو سرکاری جگہ پر یہ ذاتی کام کیوں ہو رہا ہے؟ بیٹی رسوؐل کے گھر میں نہیں آئی تھی ملنے کے لئے، مسجد میں آئی اور رسوؐل اُٹھ کے کھڑے ہو گئے تو یا رسول اللہ یہ سرکاری جگہ پر ذاتی کام کیوں کر رہے ہیں؟ منبر سے خطبہ دے رہے ہیں، حسینؑ آئے اور ٹھوکر لگی۔ خطبہ روکا، منبر سے اُتر کر حسینؑ کو گود میں اُٹھا لیا۔ سرکاری جگہ روک دیا خطبہ، جس میں شریعت تھی، جس میں ہدایت تھی۔ خطبہ دے رہے ہیں، نماز پڑھو، روزہ رکھو، حج کرو۔ نماز ایسے پڑھنا ہے، روزہ ایسے رکھنا ہے، حج ایسے کرنا ہے، منبر سے خطبہ دے رہے ہیں شریعت پر۔ نواسہ آگیا۔ ٹھوکر لگی گر گیا۔ شریعت کو روک دیا، حسینؑ کو اٹھا لیا۔ یا رسول اللہ! آپ نے یہ کیا کیا؟ ارے تم سمجھے نہیں، شریعت فروعِ دین ہے اور یہ اصولِ دین ہے۔ سرکاری جگہ تھی مسجد، بیٹی کے لئے کھڑے ہو گئے، سرکاری جگہ تھی منبر اُتر پڑے حسینؑ کے لئے۔ اور سرکاری جگہ تھی محراب۔ نواسوں نے عید کے دن کہا، کہ نانا ہمارے پاس ناقہ نہیں ہے۔ محراب میں ناقہ بن گئے۔ اب میں عرض کروں؟ محراب میں ناقہ بن گئے، منبر سے خطبہ چھوڑ کے اُتر آئے،

مسجد میں بیٹی کے لئے کھڑے ہو گئے، تو سرکاری جگہوں پر رسولؐ جو کام انجام دیں، اسے تو پرائیوٹ کہو اور جو کام لحاف میں ہو وہ شریعت بن جائے۔ مجھے معاف کر دینا، عجیب مرحلۂ فکر ہے، بھئی لحاف کا بھی تو واقعہ ہے نہ؟ صرف مسجد کا واقعہ تھوڑی ہے۔ تو لحاف شریعت بن جائے، مسجد پرائیوٹ ہو جائے، یہ کون سی منطق ہے؟

عید کا دن ہے مسجد میں نواسے مچل گئے کہ نانا مدینے کے بچوں کے پاس ناقے ہیں، ہمارے پاس ناقہ نہیں ہے۔ نانا ہمارے ناقے کا بندوبست کر دیجئے۔ بڑا مشہور واقعہ ہے۔ تفصیل میں نہیں جاؤں گا۔ نانا ہمارے ناقے کا بندوبست کریں۔ کیا مشکل تھا، رسولؐ کے گھر میں ناقہ بندھا ہوا تھا اسے منگوا دیتے۔ اچھا اسے نہیں منگواتے علیؑ کے گھر میں ناقہ ہے اُسے منگوایئے، انھیں کے بیٹے ہیں۔ اچھا چھوڑیئے، صحابۂ کرام میں سے ہر ایک کے پاس ناقہ ہے منگوا دیجئے۔ نہیں، رسولؐ نے اپنا ناقہ بھی نہیں منگوایا، علیؑ کا ناقہ بھی نہیں منگوایا، صحابہ کرام میں کسی کو زحمت نہیں دی کہ اپنا ناقہ دے دو میرے بچوں کی خواہش ہے۔ ایک مرتبہ ہاتھ زمین پر ٹیکے، گھٹنے موڑے اور کہا، آؤ بیٹو، میں تمہارے لئے ناقہ ہوں۔ سُننا۔ یہ کام کہاں ہو رہا ہے؟ محراب مسجد میں، بیٹو آؤ میں تمہارے لئے ناقہ ہوں، مسجد سرکاری جگہ ہے اور کتنا غیر سنجیدہ کام ہو رہا ہے۔ مجھے معاف کر دینا، یہ جملہ میں سمجھانے کے لئے کہہ رہا ہوں۔ کتنا غیر سنجیدہ کام ہے کہ سرکاری جگہ مسجد میں کوئی ناقہ بن جائے تو ناقہ بننا غیر سنجیدہ نہیں ہے، سڑکوں پر ماتم کرنا غیر سنجیدہ ہے۔ جلوس نکالنا غیر سنجیدہ کام ہے، مسجد میں ناقہ بننا بہت اچھا کام ہے؟ نہیں، میرے نبیؐ نے ناقہ بن کے یہ بتا دیا کہ ان کے لئے جو بھی کام کرو وہ سنجیدہ ہے۔

تو اَب یہ طے ہو گیا کہ اگر بیٹی کے لئے مسجد میں کھڑے ہوں تو یہ سرکاری عمل ہے۔ اگر حسنینؑ کے لئے محراب میں ناقہ بن جائیں تو سرکاری عمل ہے، اگر منبر پر ہوں اور حسینؑ کے لئے خطبہ چھوڑنا پڑے سرکاری عمل ہے۔ مسجد، محراب، منبر، چوتھا سرکاری مقام کیا ہے رسولؐ کا؟ میدان جنگ۔ رسولؐ ہے، وہاں پرائیوٹ لائف نہیں ہے۔ اب ایسے میں جب وہ سرکاری کام انجام دے رہا ہو کہہ دے کہ کل میں رجُل کو علم دوں گا تو یہ بھی سرکاری ہے، کل میں، رجُل کو علم دوں گا، کرّار کو علم دوں گا، غیر فرار کو

کو علم دوں گا، خدا اور رسولؐ کے دوست کو علم دوں گا، خدا اور رسولؐ کے محبوب کو علم دوں گا تو یہ جملہ بھی سرکاری ہے محبّت نہیں ہے۔ انھیں تقریروں کے دوران جب کسی نے پوچھا تھا کہ یا رسول اللہ کل کس کو علم دیں گے تو کہا تھا اسے دوں گا جو علمداری کا حق ادا کر سکے۔ اس کا مطلب صاف ہے کہ اب تک یہ حق ادا نہیں ہوا تھا۔ اسے علم دوں گا جو علمداری کا حق ادا کر سکے۔ رسولؐ نے اسے علم دیا جو علمداری کا حق ادا کر سکے۔ حسینؑ نے اسے علم دیا جو تنہا علمداری نہیں بلکہ سقائی کا بھی حق ادا کر سکے۔

میرے عبّاس کو پہچانتے ہو؟ اس شہزادے کی ماں کا نام ہے ام البنین۔ یہ شہزادہ کون ہے؟ کنیّت ابوالفضل، کیا مماثلت ہے کنیّت میں، باپ کی کنیّت ابوالحسنؑ دادا کی کنیّت؟ ابو طالب۔ عبّاسؑ ابن علیؑ ابن ابیطالبؑ۔ ٹھیک ہے نہ؟ تو دادا ابو طالب، باپ ابوالحسن خود ابوالفضل، دادا ساقیٔ زمزم، باپ ساقیٔ کوثر، خود ساقیٔ اہلِ حرم، خود سقائے سکینہ، سقائے اہلِ حرم۔ عبّاسؑ کی شان میں ایک جملہ سنو۔ لکھنے والوں نے مقتل میں لکھا ہے۔ عبّاسؑ پورے خاندان کا سہارا۔ حسینؑ کو کوئی کام ہو تو پکاریں عبّاسؑ کو۔ اکبر کو کوئی کام ہو تو پکاریں عبّاسؑ کو، زینبؑ کو کوئی کام ہو پکاریں عبّاسؑ کو۔ اُمّ کلثوم کو کوئی کام ہو تو پکاریں عبّاسؑ کو۔ سکینہؑ کو کوئی کام ہو تو چچا سے کہیں۔"

بس میرے دوستوں، میرے عزیزوں! گفتگو اس مرحلے پر ختم ہو رہی ہے۔ نام؟ عبّاس۔ کنیّت؟ ابوالفضل، بیٹا ام البنین کا۔ اُمّ البنین کے معنی معلوم ہیں؟ بیٹوں کی ماں۔ اُمّ البنین کے چار بیٹے تھے، جن میں سب سے بڑا عبّاسؑ، کربلا کے واقعہ کے بعد یہ بی بی بیت الحزن میں جاتی تھی۔ ریت کی چار قبریں بناتی تھی۔ اور کہتی تھی بیٹو، میں تم پر کیوں روؤں۔ تمھاری تو ماں زندہ ہے، میں اس پر روؤں گی جس کی ماں اس دُنیا میں موجود نہیں ہے۔ یہ کہہ کر ریت کی قبروں کو مٹا دیتی تھیں، سر پر ہاتھ مارتی جاتیں اور کہتی جاتیں واحسینا، واعلیا، وافاطمہ، ایسی ماں کا بیٹا ہے عبّاسؑ۔ وہ عبّاسؑ آیا حسینؑ کے پاس، مولا مجھے جنگ کی اجازت ہے، کہا نہیں؟ کہا، مولا کیوں؟ دیکھو عبّاسؑ کا کردار سمجھو۔ عبّاسؑ کے پاس علیؑ کا کردار تھا، رسولؐ نے کہا اٹھو، اٹھ گئے، رسولؐ نے کہا بیٹھ جاؤ، بیٹھ گئے، رسولؐ نے کہا فلاں جگہ چلے جاؤ چلے گئے۔ رسولؐ نے کہا بستر پر سو جاؤ، سو گئے۔ رسولؐ نے کہا،

کندھے پر کھڑے ہوکر بتوں کو توڑ دو، توڑ دیا۔ کیوں نہیں پوچھا علیؑ نے اسی طریقہ سے میرے عباسؑ نے پوری زندگی میں "کیوں" نہیں پوچھا۔ حسینؑ نے کہا عباسؑ آجاؤ، آگئے، حسینؑ نے کہا، عباس چلے جاؤ چلے گئے۔ آج پوچھ رہے ہیں۔ کہا مولا مجھے جنگ کی اجازت ہے؟ کہا، نہیں عباسؑ تمھیں نہیں ہے۔ کہا مولا کیوں؟ اس لئے کہ جب حسینؑ نے اجازت نہیں دی تو عباسؑ یہ سوچنے لگے کہ میرے باپ نے پیدا ہی کیا تھا اسی دن کے لئے۔ اب میرا مولا اجازت کیوں نہیں دے رہا ہے۔ جب بہت اصرار کیا عباسؑ نے تو کہا اچھا عباس نیزہ لے لو اور پانی کا بندوبست کرو۔ عباس خوش ہوگئے۔ سکینہ کو بلایا کہا، بیٹی چھوٹا مشکیزہ لے آ۔ بچی مشکیزہ لائی۔ جب کل جلوس نکلے گا تو دیکھ لینا۔ علم کے ساتھ ایک چھوٹی سی مشک بھی ہوگی۔ بچی دوڑتی ہوئی گئی مشکیزہ لے کر آئی، علم میں باندھا، ہاتھ میں نیزہ لیا۔ جب چل رہے تھے تو ایک مرتبہ حسینؑ نے پکار کے کہا، عباسؑ! میں نے پانی لانے کی اجازت دے دی۔ لیکن عباس تمھیں تو زینبؑ نے پالا ہے، زینبؑ سے مل لئے، کہا نہیں مولا۔ بس آخری جملہ۔ عباس جیسا بہادر زینبؑ کے خیمے میں آیا، سر جھکا کر کھڑا ہوگیا۔ عباس کی ہمت نہیں ہے کہ شہزادی زینبؑ سے کچھ کہہ سکے۔ شہزادی نے ایک نگاہ دیکھا اور کہنے لگیں کہ عباسؑ جب بھائی نے اجازت دے دی تو میں روکنے والی کون؟ جاؤ عباس جاؤ، لیکن ایک جملہ سنتے جاؤ" میرے بابا نے اکیسویں رمضان کی رات کو اپنا زخمی سر میرے کندھے پر رکھا تھا۔ اور کہا تھا زینب تیرے بازوؤں میں رسی باندھی جائے گی۔ میں سوچتی تھی کہ جس کا عباسؑ جیسا بھائی ہو اس کے بازوؤں میں رسن ......"

(نویں مجلس)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

"وَالْعَصْرِ، اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ، اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَ تَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ"

عزیزانِ محترم۔ انسان معاصر اور قرآن کے عنوان سے ہم نے جس سلسلۂ گفتگو کا آغاز کیا تھا وہ سلسلۂ گفتگو ختم ہو رہا ہے۔ قرآن نے آواز دی "خُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِیْفًا" ہم نے انسان کو کمزور بنایا ہے۔ عجیب بات ہے کہ کمزور مخلوق ہے انسان لیکن اس کے باوجود اس نے ستاروں پر کمندیں ڈال دیں۔ چاند پر اتر گیا۔ شمسی توانائی کو اس نے اسیر کر لیا۔ زمانے اس کے لئے بے حقیقت ہوگئے، فاصلے اس کی نگاہ میں کوئی اہمیت نہیں رکھتے۔ تو یہ ضعیف انسان اتنا قوی کیسے بن گیا؟ اس لئے بنا کہ اللہ نے اس ضعیف پیکر میں پانچ حِسیں رکھیں اور ایک عقل رکھی تاکہ وہ اپنے ضعف کو اور اپنی کمزوری کو ان حسوں کے ذریعہ اور عقل کے ذریعہ دور کرے۔ تو جب عقل آئی تو پروردگار نے طے کیا کہ انسانوں میں گروہ دو ہوں گے۔ ایک اس عقل کو ہدایت دینے والا، ایک ہادی سے ہدایت لینے والا۔ دو گروہ ہوں گے ایک ہدایت کرنے والا، ایک ہدایت لینے والا۔ جو ہدایت کرنے والا ہوگا اس کا نام ہوگا ہادی اور جو ہدایت لینے والے ہوں گے ان کا نام ہوگا امت۔ جو ہدایت کرے اس کا نام ہے ہادی اور جو ہدایت لے اس کا نام ہے امت۔ اب میں فرق کیسے بتاؤں۔ قرآن مجید کی آیت ہے۔ "قَدْ جَاءَکُمْ مِنَ اللّٰہِ نُوْرٌ وَّ کِتَابٌ مُّبِیْنٌ" تمھارے پاس ہم نے نور بھیجا اور کتاب مبین بھیجی۔ "قَدْ جَاءَکُمْ" آگئی تمھارے پاس، یہ "کُمْ" ذہن میں رہے۔ آگئی تمھارے پاس۔ کیا چیز آگئی؟ کتاب آگئی اور ایک نور آگیا۔ تو کتاب نہ تمھاری کتابوں جیسی اور تمھاری کتابیں نہ اس کتاب جیسی۔ اگر یہ اصول طے ہے تو آنے والا نور نہ تم جیسا، نہ تم اس نور جیسے۔

"کُمْ"۔ کُم کے معنی جانتے ہو — اُردو میں اس کا ترجمہ کرلو۔ "تم" کُم کے معنی تم، کُم کے معنی اُمّت۔ تو تم اور ہو' امت اور ہے' نُور اور ہے امت اور ہے، کتاب اور ہے اُمّت اور ہے۔ تو "کُمْ" سمجھ میں آگیا۔ "قد جاء کم من اللہ نور و کتاب مبین" اللہ نے تمھاری طرف دو چیزیں بھیجیں۔ ایک نور اور ایک کتاب۔ تو "کُمْ" سے مُراد ہے اُمّت، نور سے مُراد ہے محمدؐ۔ کتاب سے مُراد ہے قرآن۔ اگر یہ فیصلہ ہو گیا تو ایک روایت سُنانا چاہوں گا۔ "اِنّی تارِکٌ فی کُمْ" تمھارے درمیان میں دو چیزیں چھوڑ کے جا رہا ہوں ایک اللہ کی کتاب دوسرے اہلبیت۔ تو کتاب اور اُمت اور — اب اسی اصول کو اور آگے بڑھا دو، عترت اور امت اور۔

بات پہنچ رہی ہے نہ میرے سُننے والوں تک؟ قَدْ جَاءَ کُمْ مِنَ اللّٰہِ نُورٌ وَّکِتَابٌ مُّبِیْنٌ" ہم نے محمدؐ کو نور بنا کے بھیجا اور اس کے ساتھ ہم نے کتاب مُبین بھیج دی۔ نُور بھیجا، کتاب مبین بھیجدی، بھئی عجیب بات یہ ہے، اب ذرا اُدھر کے رہنا۔ میرا نبیؐ نور کے لئے آیا، کتاب مبین لے کے آیا — کس سماج میں لایا؟ بڑا مشکل سماج تھا' عربوں کی جو خارجی زندگی تھی۔ اچھا خارجی ہی کیوں کہوں، داخلی اور خارجی دونوں زندگیاں۔ ان داخلی اور خارجی زندگیوں میں رحم کا کوئی تصوّر نہیں تھا۔ محبّت کا تصوّر نہیں تھا، رافت کا تصوّر نہیں تھا، اُلفت کا تصوّر نہیں تھا۔ محبّت و رحمت کا تصوّر نہیں تھا جب رحمت ہی کا تصوّر نہ ہو تو الفت کا تصوّر کہاں سے آئے گا۔ تو ایسے بے رحم معاشرے میں رحمٰن اور رحیم کا تعارف کرانا مذاق نہیں تھا۔ اور صرف رحمٰن اور رحیم کا تعارف کرانا ہی مقصود نہیں تھا۔ مجھے اللہ نے اس لئے مبعوث کیا کہ میں لوگوں کو اخلاق کی بلندیوں تک لے جاؤں۔ تو اب اخلاق میں سفری زندگی بھی ہے، حضری زندگی بھی ہے، معاشرتی زندگی بھی ہے، حضری زندگی بھی ہے، معاشرتی زندگی بھی ہے۔ آئینی زندگی بھی ہے۔ سلاطین کے حقوق بھی ہیں، علماء کے حقوق بھی ہیں، بھئی عجیب و غریب قانون ہے اخلاق کا اسلام میں اور وہ سارے قانون پیغمبر اکرم دینا چاہ رہے ہیں اور پیغمبر اکرم کے پاس وقت کتنا ہے، پوری زندگی بنی ۶۳ سال، ترسٹھ سال میں سے چالیس سال سکوت کے، اب کتنے بچے ۲۳ سال۔ ۲۳ سال میں سے مکّے کی زندگی، ۱۳ برس کی جس میں پتّھر کھائے، ڈھیلے کھائے،

طائف کی پہاڑیوں میں زخمی کئے گئے۔ راہوں میں کانٹے ڈالے گئے۔ سر پر کوڑا پھینکا گیا۔ ۱۳ برس کی زندگی پیغمبر کی' پریشانیوں کی زندگی ہے اُس میں پیغمبر نے احکام نہیں دیے، اخلاق نہیں دیا' تو اب دس سال بچے، اِن دس برسوں میں پیغمبر کو، حلال بھی دینا ہے، حرام بھی دینا ہے شریعت بھی دینی ہے، اخلاق بھی دینا ہے، آئینی زندگی بھی تبلاتی ہے۔ عجب مرحلۂ فکر نہ۔ معاشرتی زندگی بھی تبلائی ہے، سیاسی زندگی بھی تبلائی ہے، اب سُنو۔ میرے پیغمبر کے تبلائے ہوئے قوانین کتنے مکمّل ہیں۔ یہ تک تبلایا کہ انسان کو پائجامہ کیسے باندھنا چاہیے۔ یہ تک تبلایا کہ انسان آدابِ طہارت کیسے بجالائے۔ یہ تک تبلایا کہ بیت الخلاء میں جب داخل ہو یا بیت الخلاء سے باہر نکلے تو کون سا پاؤں پہلے رکھے۔ یارسول اللہ! آپ نے تبلیغ نہیں کی آپ نے تو تبلیغ کا معجزہ کیا کہ پائجامہ کیسے باندھو بتادیا، جوتا کیسے پہنو، بتادیا۔ ٹوپی کیسے رکھو سر پر' طہارت کیسے کرو۔ آپ نے بتادیا کہ غسل کیسے کرو، آپ نے بتادیا کہ بیت الخلاء میں کیسے جاؤ تو یارسول اللہ اِتنا اور بتادیں کہ آپکے بعد ہدایت کس سے ملے گی۔

اچھا — تو نوحؑ نے نو سو پچاس سال تبلیغ کی۔ کتنے مومن ہوئے؟ بس اتنے تھے کہ کشتی میں سما گئے۔ تو جو کام سارے انبیاء و مرسلین نے دس ہزار سال میں کیا وہ اکیلے محمدؐ نے دس سال میں کیا۔ آج میرا جی چاہ رہا ہے کہ رسوؐل کی زندگی کے ذرا ذرا سے ٹکڑوں کو اپنے سُننے والوں کی خدمت میں پیش کر دوں۔ اچھا تو آرام سے سُنو، یہ تصویر کھنچ جائے تو میں سلسلۂ فکر کو شروع کروں۔ اَب ذرا تصوّر کیجئے جو دس ہزار سال میں سارے انبیاء نہ کر سکے اسے دس سال میں میرے محمدؐ نے پورا کر دیا۔ بھئی ہے نہ نورِ اوّل۔ میرا محمدؐ عالمِ انوار میں ابراہیم کی ہدایت کر رہا تھا، موسیٰ کی ہدایت کر رہا تھا، عیسیٰ کی ہدایت کر رہا تھا۔ توجہّات مبذول رہیں۔ میرے محمدؐ نے خلیل کی ہدایت کی' میرے محمدؐ نے ابراہیم کی ہدایت کی' میرے محمدؐ نے نوح کی ہدایت کی اور اب میرا محمدؐ دُنیا میں آگیا۔ اچھّا' میرا محمدؐ دُنیا میں تو آگیا' پرورش کون کرے؟ جو موسیٰ کا ہادی ہو، جو عیسیٰ کا ہادی ہو، جو ابراہیم کا ہادی ہو، جو آدم علیہ السّلام کا ہادی ہو' جو ایک لاکھ تئیس ہزار نو سو ننانوے پیغمبروں کا ہادی ہو، وہ آگیا دُنیا میں، ماں بھی اُٹھ گئی، باپ بھی اُٹھ گیا۔

پرورش کون کرے؟ تو اَب قرآن نے آواز دی "اَنْبَتَهَا نَبَاتًا حَسَنًا" مریم کی پرورش ہم نے کی، مریم کی پرورش؟ ہم نے کی۔ مالک تیرے پاس نہ گوش ہے، نہ ہاتھ ہے، نہ پاؤں ہیں، تیرے پاس اعضاء و جوارح نہیں ہیں تو مریم کی پرورش تو نے کیسے کی؟ دوسرا ٹکڑا "وَكَفَّلَهَا زَكَرِيَّا" ہم نے مریم کی پرورش ایسے کی کہ اسے زکریا کی گود میں دے دیا۔ کیوں؟ اس لئے کہ مریم ہے معصومہ، غیر معصوم کی گود میں پل نہیں سکتی۔ اس لئے نبوت کی گود کا انتخاب کیا کہ اس میں مریم پل جائے۔ پروردگار! یہ رحمت للعالمین ہے، یہ تیرا آخری رسول ہے، زکریا ہی اٹھا دے کہ پرورش کر دیں۔ کہا کہ نہیں وہ تو مر گئے۔ اچھا تو پروردگار! عیسیٰ تو زندہ ہیں، انھیں کو اُتار دے آسمان سے کہ آئیں اور تیرے محمدؐ کی پرورش کریں۔ تو آوازِ قدرت آئی کہ اگر پرورش کرنے والا، ذکریا اور عیسیٰ سے بلند نہ ہوتا تو ہم بھیج دیتے عیسیٰ کو۔ ہم نے تو اسے بھیجا ہے، جو عیسیٰ سے بلند، زکریا سے بلند۔ مالک! یہ تو نے کیا کہہ دیا۔ عیسیٰ نبی ہے، ذکریا نبی ہے جب کہ یہ پلنے والا نبی نہیں ہے۔ کہا فرق سمجھو، نہ نسل عیسیٰ میں امامت ہے نہ نسلِ ذکریا میں امامت ہے، امامت چلے گی تو ابو طالب سے چلے گی۔ میرا ابو طالب سمجھ میں آ گیا۔ ابھی تو میں پیغمبر کی زندگی کے کچھ اجزا اپنے سُننے والوں کی خدمت میں ہدیہ کر رہا ہوں۔ ابو طالب ہے نبی کی پرورش کرنے والا۔ جس زمانے میں ابو طالب نے نبی کی پرورش کی اس زمانے میں عرب کے ہر خاندان میں بزرگ موجود تھے، لیکن عربوں میں اور ابو طالب میں فرق یہ ہے کہ عربوں نے کافروں کی پرورش کی۔ کافر کی پرورش کرنے کا موقع ہر کافر کو ملا لیکن ابو طالب نے جو محمدؐ رسول اللہ کی پرورش کی تو یہ شرف اوّلین و آخرین میں اب آخری ہے۔ اس لئے کہ محمدؐ ہیں خاتم النبیین، اب اس کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔ اور جب نبی نہیں آئے گا تو پرورش کرنے والا کہاں سے آ جائے گا۔

اچھا۔ تو میرا نبی پلتا رہا اور پل کے جوان ہوا تو اب خدیجہ کے غلام میسرہ نے آکر پیغام دیا۔ کہا محمدؐ! ہماری مالکہ تم سے شادی کرنا چاہتی ہیں۔ کہا، میسرہ سنو، مجھے کوئی اعتراض تو نہیں ہے لیکن میں نے آج تک کوئی کام اپنے چچا ابو طالب کے مشورے کے بغیر نہیں کیا۔ کوئی کام نہیں کیا، اب

سمجھ میں آئے ابو طالب؟ بھئی نبی کی دو زندگیاں۔ اعلان نبوت سے پہلے۔ اعلانِ نبوت کے بعد۔ اعلان نبوت کے بعد محمدؐ پیروی کریں وحی الٰہی کی۔ اور اعلان نبوت سے پہلے محمدؐ پیروی کریں ابو طالب کی۔ اچھا رک جاؤ۔ بچّہ کہاں پیدا ہوا؟ بچہ پرورش کرنے والے کے خاندان میں پیدا ہوا نہ۔ نام کیا ہے بچے کا؟ کوئی آواز؟ بھئی وہ بچّہ جو پیدا ہوا ہے، جو آخر میں خاتم النبیین کہلایا۔ اس بچّے کا نام کیا ہے؟ سب کہہ رہے ہیں محمدؐ۔ لیکن قرآن میں دیکھنا۔ "مُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ يَّاْتِيْ مِنْ بَعْدِي اسْمُهٗ اَحْمَدُ" عیسیٰ نے کہا، کہ میرے بعد جو رسول آئے گا اس کا نام احمد ہو گا۔ تو نبیٔ الوالعزم کہہ رہا ہے کہ محمدؐ کا نام محمدؐ نہیں ہے احمدؐ ہے، سورۂ صف میں دیکھ لو۔ تو بھئی کلمہ پڑھو "لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ اَحْمَدُ رَسُوْلُ اللّٰهِ" کوئی مسلمان نہیں پڑھتا، جب کوئی مسلمان نہیں پڑھتا تو میں یہ پوچھ رہا ہوں کہ بھئی یہ محمدؐ تمھیں کس نے دیا؟ کہا رسول کا نام تھا۔ ارے بھئی یہ نام رکھا کس نے؟ اب جواب دینے والا چُپ ہے، اس لئے کہ نام تو ابو طالب نے رکھا۔" نام رکھا محمدؐ ابو طالب نے۔ اور حدیثوں میں کیا لکھا ہے؟ حدیثوں میں لکھا ہے کہ اللہ نے لفظ محمد کو آسمانوں کے حجابوں میں پوشیدہ کیا تھا تاکہ کسی کی نگاہ نہ پڑ سکے اور یہ نام مخصوص ہو جائے میرے حبیب کے لئے۔ اب وہ چچا کیسا تھا، جو زمین پر بیٹھا ہوا آسمانوں کے حجابوں کو دیکھ رہا تھا۔

بچّہ پیدا ہوا، پلا، بڑھا، جوان ہوا، خدیجہ کا ملازم ہوا اور پھر ایک دن خدیجہ کا غلام میسرہ آیا کہ اے محمدؐ! میری مالکہ چاہتی ہے کہ تم سے شادی کرے۔ کہا مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے لیکن جبتک میں اپنے چچا سے مشورہ نہ کر لوں میں ہاں نہیں کر سکتا۔ اس لئے کہ میں نے کوئی کام اپنے چچا کے مشورے کے بغیر نہیں کیا۔ آئے چچا کی خدمت میں، کہنے لگے چچا میسرہ یہ پیغام لے کر آیا تھا۔ کہا، پھر تم نے کیا کہا؟ کہا، چچا آپ تو جانتے ہیں نہ کہ میں آپ کے مشورے کے بغیر کچھ نہیں کرتا۔ کہا، بیٹے، خواہش تو میری بھی تھی لیکن غربت کی وجہ سے خاموش ہو گیا۔ لیکن بھتیجے اگر تو ہاں کر دے تو ساری شادی کا بندوبست میری ذمّہ داری ہے۔ بندوبست تیری شادی کا میں کروں گا۔ کہتے ہیں کہ ابو طالب تو فقیر تھے۔ ایسے ہی فقیر تھے کہ شادی کے بعد تین دن تک اپنی جیب سے محمدؐ کا ولیمہ کیا۔ تو فقر اس سے پہلے نہیں تھے، تمھارے

رسولؐ پر خرچ کر کے فقیر بنے۔

اَب میرے محمدؐ کی شان دیکھو — نہیں — خدیجۂ کبریٰ کی شان دیکھو — ازواج مطہرات کی تعداد محمدؐ کی زندگی میں کل اٹھائیس[۲۸]، اختلاف کے ساتھ اکیس[۲۱] — ایک وقت میں نو[۹] یا بارہ[۱۲]۔ ایک وقت میں یا نو[۹] رہیں، یا بارہ[۱۲] رہیں۔ پوری زندگی کی ساری ازواج یا اکیس[۲۱] یا اٹھائیس[۲۸]۔ اکیس[۲۱] کو مان لو۔ تو خدیجہ کو چھوڑ کر بیس[۲۰] — اب میں ایک جملہ کہنا چاہ رہا ہوں۔ بیوی اگر شریکِ زندگی ہو تو فضیلت نہیں ہے۔ اگر شریکِ مقصد ہو تو فضیلت ہے۔ ہر مرد کی بیوی شریکِ زندگی ہوتی لیکن اگر بیوی شریکِ مقصد ہو جائے تو صاحبِ فضیلت ہے۔ وہ جو بیس[۲۰] ازواج مطہرات تھیں، انھیں اسلام کے بیت المال سے ملتا رہا۔ توان ازواج کو اسلام نے پالا۔ اور اسلام کو خدیجہ نے پالا۔ بہت توجّہ درکار ہے۔ تو اکیس[۲۱] تھیں۔ جن میں ایک خدیجہ — جاؤ جتنی کتابیں تاریخ کی لکھی گئیں ہیں، سب کو کھنگال ڈالو۔ اکیس[۲۱] شادیاں کرنے والا رسول دولھا بن کر اگر گیا تو خدیجہ کے در پر — کسی اور کی یہ حسرت پوری نہ ہو سکی۔ میرا رسول پوری تاریخ میں ایک ہی مرتبہ تو دولھا بنا ہے۔ دولھا بن کے گیا خدیجہ کے گھر۔ اکابرینِ قریش بیٹھے ہوئے تھے، بارات پہنچی۔ استقبال کیا گیا۔ محمدؐ بیٹھے، ابوطالب بیٹھے، سارے خاندان والے بیٹھے اور اب بحث چھڑ گئی کہ خطبۂ نکاح کون پڑھے۔ ایک مرتبہ خدیجہ والوں نے کہا کہ ابوطالب کے ہوتے ہوئے کسی اور کی کیا مجال کہ محمدؐ کا خطبۂ نکاح پڑھے — اور اب ترغیب المشتاقین میں۔ محمد ابن عمر ابن بنی بہت بڑے مصنّف گزرے ہیں۔ کتاب کا نام ترغیب المشتاقین۔ انھوں نے خطبۂ نکاح ابوطالب کا لکھا۔ " اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ جَعَلَنَا مِنْ نَسْلِ اِبْرَاهِیْمَ وَ ذُرِّیَّةِ اِسْمَاعِیْلَ " حمد ہے اس اللہ کی جس نے ہمیں اسماعیل کا بیٹا بنایا ہے، حمد ہے اس اللہ کی جس نے ہمیں ابراہیم کا بیٹا بنایا ہے۔ خطبۂ نکاح پڑھ رہے ہیں رسول کا، تعریف اپنی کر رہے ہیں۔ نکاح رسولؐ کا ہو رہا ہے تعریف اپنی کر رہے ہو کہ مجھے اسمٰعیل کا بیٹا بنایا مجھے ابراہیم کا بیٹا بنایا۔ تو کہنے لگے کہ مجھے تو مسلمانوں کو قرآن کی ایک آیت کی طرف متوجہ کرنا ہے۔ ابراہیم نے دعا کی تھی کہ پروردگار میرے بیٹوں کو بُت پرستی سے محفوظ رکھنا۔ تو۔ یا دعا رد ہو گئی یا دعا قبول ہوئی۔ ابراہیم کی دعا رد نہیں ہو سکتی۔ ابراہیم کی دُعا تو

بہر حال قبول ہو گی۔ تو اب ابراہیم کا بیٹا وہ جو بُت پرست نہ ہو۔ محمدؐ کے سامنے کہا، حمد ہے اس خدا کی جس نے مجھے ابراہیم کا بیٹا بنایا۔" تو پھر ابوطالب پرستی کا الزام کیسا؟

پروردگار! تو نے محمدؐ کا نکاح ابوطالب سے پڑھوا دیا۔ اب اے پروردگار! علیؑ کا نکاح محمدؐ سے پڑھوا دے۔ کہا نہیں، ابوطالب کا یہ احسان مجھ پر تھا کہ اس نے میرے حبیب کا نکاح پڑھا تو جب سہی کہ علیؑ کا نکاح میں پڑھوں کوئی اور نہیں۔"

بہت آہستہ آہستہ میں آگے بڑھ رہا ہوں۔ اب درمیان میں ایک تیسری شخصیت بھی آگئی۔ ابوطالب کے گھر میں محمدؐ کا قیام ہے۔ برسوں رہا جو پکا ابوطالب کے گھر میں وہ کھایا۔ زید نے بھیڑ کی ایک بُھنی ہوئی ران پیغمبر کو ہدیہ کی۔ پیغمبر نے کہا، کہ چونکہ یہ مشرک کے ہاتھ کا ذبیحہ ہے اس لئے یہ ران مَیں نہیں کھاؤں گا۔ ران واپس کر دی۔ تو نبی پر حرام ہے، مشرک کا ذبیحہ جب تم پر حرام ہے تو کیا نبی پر حرام نہیں ہو گا۔ تو اب پوچھنا چاہ رہا ہوں کہ ابوطالب کے گھر میں گوشت پکتا تھا یا نہیں۔ اور محمدؐ کھاتے تھے یا نہیں۔"

اچھّا۔ تو زندگی گزر رہی ہے ابوطالب کے گھر میں۔ اور اب ایک دن علی کو بُلایا روضۃ الصفا میں ہے، حبیب السیر میں ہے یہ جملے جو میں کہنے جا رہا ہوں۔ اور یہ دونوں کتابیں بڑی معتبر ہیں۔ علیؑ کو بُلایا اور کہنے لگے یا علی، مجھ پر ذوالعشیرہ کی آیت اتر آئی۔ علیؑ تم جاؤ بنی عبدالمطلب کو دعوت دو کہ میرے گھر کھانا ہے لیکن دیکھو، چالیس سال سے نیچے کی عمر والے کو دعوت نہ دینا۔ عجیب بات ہے دعوت کر رہے ہیں اسلام کی اور اس میں شرط یہ ہے چالیس سے نیچے کا آدمی نہ آئے۔ یا چالیس سال کا ہو یا چالیس سال سے اوپر کا ہو۔ سارے چالیس سے اوپر والے ذوالعشیرہ کی دعوت میں آگئے۔ یہ دعوت کہاں ہوئی تھی؟ ایک روایت ہے کہ خدیجہ کے گھر میں۔ لیکن دوسری روایت جو زیادہ راویوں کے ذریعہ سے آئی ہے اس سے پتہ چلتا ہے کہ ابوطالب کے گھر میں یہ دعوت ہوئی۔ اعلان نبوت کہاں ہوا؟ ابوطالب کے گھر میں۔ صحن کعبہ میں ہو جاتا۔ نبوت کا اعلان صحن کعبہ میں ہو جاتا۔ تو اگر ابوطالب کا گھر صحن کعبہ سے کم ہوتا تو وہاں کر دیتے۔

اچھا۔ تو جب سارے لوگ جمع ہو گئے کھانا کھانے کے لئے تو علیؑ اُٹھ رہے تھے، کہا علیؑ تم دعوت میں بیٹھو۔ علیؑ کی عمر کیا؟ دس سال۔ دس سال کی عمر کے بچے کو ان چالیس سال کے ساتھ بٹھا دیا یا نہیں؟ کتنا اعتبار ہے نبوت کو علیؑ کے بچپنے پر۔ یعنی دلیل دے دی کہ تم ناپے جاتے ہو عمروں سے، امامت عمروں سے نہیں ناپی جاتی۔ میں ذوالعشیرہ تو بیان ہی نہیں کر رہا ہوں، میں تو صرف شخصیتوں کا تعارف کرا رہا ہوں۔ کھانا کھایا اور تین دن تک لوگوں نے سننے سے انکار کیا۔ تیسرے دن جب میرا نبی کھڑا ہوا تو خطبہ دیا اور خطبہ دینے کے بعد کہنے لگا۔ ہے کوئی جو میری نبوت کی تصدیق کرے اور تم میں سے ہے کوئی جو میری نصرت کا وعدہ کرے۔ وہ دس سال کا بچہ، ان چالیس برس کے بڈھوں کو عبور کرتا ہوا ذرا قریب آیا اور قریب آ کے کہنے لگا یا رسول اللہ! میں آپ کی نبوت کی تصدیق کرتا ہوں اور میں آپ سے نصرت کا وعدہ کرتا ہوں۔ بھئی تصدیق ہوتی ہے ماضی کی۔ کام ہو گیا ہو اس کی تصدیق ـــــ آپ نے ایک ہفتہ پہلے کوئی اچھا کام کیا اور میں نے اس کی تصدیق کی کہ جناب نے کیا تھا۔ تو تصدیق ہوتی ہے ماضی کے کام کی۔ اور نُصرت ہوتی ہے مستقبل کی۔ تو اب علیؑ کہہ رہے ہیں کہ یا رسول اللہ! میں آپ کی نبوت کی تصدیق کرتا ہوں۔ تو اب یہ تصدیق، نبوت کے ماضی کی تصدیق ہے۔ تو اَب محمدؐ کی نبوت کب سے؟ جب سے محمدؐ کی نبوت، تب سے علیؑ کی گواہی ساتھ میں ہے۔ علیؑ وہ ہے کہ جو محمدؐ کے ماضی کا بھی ساتھی ہے۔ ماضی کی نبوت کی تصدیق کرتا ہوں مستقبل کا وعدہ ہے کہ آپ کی مدد کروں گا۔

بس میرے دوستو! میں نے آج آپ کو بڑی زحمت دی اور بڑے اطمینان سے بول رہا تھا تاکہ میرے سُننے والوں تک یہ پیغام پہنچ جائے۔ "نُصرت کا وعدہ کرتا ہوں" یہ وعدہ پروردگار نے سارے انبیاءؑ سے لیا تھا اور میں نے بار بار اپنی مجلسوں میں اس آیت کو پڑھا ہے۔

"وَاِذ اخذ اللہ میثاق النبین لما اٰتیتکم من کتٰب وّحکمۃ ثم جاء رسول مصدق لما معکم لتومنن بہ ولتنصرنہ قال ءاقررتم واخذتم علیٰ ذالکم اصری

قالوا اقررنا قال فاشھدوا وانا معکم من الشھدین۔ فمن تولّٰی بعد ذالک فاولٰئک ھم الفسقون۝"

اللہ نے انبیاءؑ سے عہد لیا کہ نبیوں سنو، تمھیں کتاب دوں گا، حکمت دوں گا، بھیج دوں گا۔ آخر میں آخری رسول آئے گا تو تم پر واجب ہے کہ اس پر ایمان لاؤ۔ اور تم پر واجب ہے کہ اس کی نصرت کرو۔ تو ہر نبی پر واجب ہے کہ محمدؐ پر ایمان لائے، ہر نبی پر واجب ہے کہ محمدؐ کی نصرت کرے۔ اور جو محمدؐ پر ایمان نہ لائے وہ فاسق ہے۔ اَب میرا جملہ سُنئے۔ جو میرے محمدؐ کی نصرت نہ کرے وہ بھی فاسق ہے۔ پھر سُننا۔ نبیو! ایمان لاؤ محمدؐ پر، نصرت کرو محمدؐ کی۔ اور اگر کسی نے بھی انکار کیا تو وہ فاسق ہے اس کی نبوت بیکار ہے۔ ہم تو سمجھتے تھے غیر اللہ کی مدد بدعت ہے۔ ہمارے کان سُن سُن کے پک گئے تھے کہ خبردار غیر اللہ سے مدد مانگنا۔ بدعت ہے اور یہاں اللہ کہہ رہا ہے کہ نبیو! محمدؐ کی مدد کرو۔ تو غیر اللہ سے مدد مانگنا سنّت الٰہی ہے۔ فطرت اسلام ہے۔ کیا کہا، نبیوں! میرے محمدؐ پر ایمان لاؤ۔ نبیوں میرے محمدؐ کی مدد کرو اور جس نے انکار کیا اس کی نبوت بیکار۔ تو اگر انبیا محمدؐ پر ایمان نہ لائیں تو آدم کی نبوت بیکار، نوح کی نبوت بیکار، ابراہیم کی نبوت بیکار، موسیٰ کی نبوت بیکار، عیسیٰ کی نبوت بیکار، سمجھ گئے میرے محمدؐ کو۔ اگر میرے محمدؐ پر آدم ایمان نہ لائے تو آدم کی نبوت بیکار ہے۔ خضر ایمان نہ لائے تو خضر کی نبوت بیکار ہے، اسمٰعیل ایمان نہ لائے تو اسمٰعیل کی نبوت بیکار ہے۔ نوحؑ، ابراہیمؑ، موسیٰؑ، عیسیٰؑ اگر میرے محمدؐ پر ایمان نہ لائیں تو ان کی نبوتیں بیکار۔ سُن لیا۔ ادھر والے بھی سُن لیں، اگر ایک لاکھ تئیس ہزار نو سو ننانوے نبی میرے محمدؐ پر ایمان نہ لائیں تو یہ ساری نبوتیں بیکار اور اس محمدؐ سے اللہ کہہ رہا ہے کہ اگر علیؑ کی ولایت کا اعلان نہ کیا تو تمھاری رسالت بیکار ـــــ"

سارے نبیوں کی نبوت ٹکی ہوئی ہے ایمانِ محمدؐ پر اور محمدؐ رسول اللہ کی رسالت رکی ہوئی ہے ولایتِ علیؑ پر، حبیب اگر وہ نہ پہنچایا تو تو نے رسالت نہیں پہنچائی۔ حج پہنچانا رسالت ہے۔ روزہ پہنچانا رسالت ہے، نماز کا حکم پہنچانا رسالت ہے۔ زکوٰۃ کا حکم پہنچانا رسالت ہے حلال پہنچانا رسالت ہے،

حرام پہنچانا رسالت ہے، لیکن اگر علیؑ کی مولائیت کا اعلان نہ کیا تو یہ ساری رسالتیں بیکار۔ تو جب محمدؐ کے لئے یہ رسالتیں بیکار ہو جائیں تو اگر کوئی علیؑ پر ایمان نہ رکھے تو روزہ رکھنے کا فائدہ کیا ہے، نماز پڑھنے کا فائدہ کیا ہے۔" اچھا تو علیؑ کی ولایت پہنچائی، بھرے مجمع میں۔ ایک لاکھ سے بڑا مجمع تھا، جس میں نبیؐ نے میرے علیؑ کی ولایت کا اعلان کیا۔ اچھا بھائی مولانا ظفر القادری صاحب! دیکھئے میں تو اتحاد بین المسلمین کا قائل ہوں۔ مولانا رحمانی پہلے ہی اتحاد بین المسلمین کے قائل ہیں، ملاقات اب ہوئی ہے۔ تو بھئی ہم تو جھگڑوں کو چکانا چاہتے ہیں۔ ہمارا یہ مسئلہ نہیں ہے کہ علیؑ خلیفہ تھے یا نہیں؟ ہوں یا نہ ہوں۔ میں علیؑ کو خلیفہ کہہ کر علیؑ کے اختیارات کو کم نہیں کرنا چاہتا۔ خلیفہ کو استعمال کر لو۔ اللہ خلیفہ؟ سارا مجمع مارے گا۔ رسول خلیفہ؟ سارا مجمع جان کو آجائے گا کہ رسولؐ کو خلیفہ کہہ رہے ہو۔ اچھا تو ان میں سے ایک خلیفہ، علی۔ اللہ، خدا، محمدؐ، رسول۔ علی خلیفہ تو میں علیؑ کے اختیارات کو کم کیوں کروں۔ وہ عہدہ کیوں نہ لے لوں جو تینوں میں ہو۔ اللہ، مولا، محمدؐ مولا، میرا علیؑ مولا۔"

تو سوا لاکھ کے مجمع میں پیغمبرؐ نے ہاتھوں پر بلند کر کے علیؑ کی مولائیت کا اعلان کیا۔ اشارہ بھی کیا۔ پہلے ہاتھ پر بلند کیا، انگلی سے اشارہ کیا پھر جملہ کہا۔ بھئی سوا لاکھ کا مجمع ہے۔ اب سوا لاکھ مجمع میں بہرے بھی ہوں گے، گونگے بھی ہوں گے، اندھے بھی ہوں گے۔ ہاتھوں پر اٹھایا، بہرہ دیکھ لے، اشارہ کیا، گونگا پہچان لے۔ اور کہا کہ "من کنت مولا، فھذا علیؑ مولاہ" تاکہ اندھا سُن لے۔

تو ہمارا کوئی جھگڑا خلافت میں نہیں ہے، ہم تو ولایت کے قائل ہیں۔ تو علیؑ مولا ہیں، تو علیؑ کے بعد حسنؑ مولا ہیں اور اگر حسنؑ مولا ہیں تو حسن کے بعد حسینؑ مولا ہیں۔ آگئی نہ بات حسینؑ تک، اب کسی ربط مصائب کی ضرورت نہیں ہے۔ آج محرّم کی نویں تاریخ ہے۔ یہ علم گواہ ہیں، یہ تابوت گواہ ہیں، یہ ذوالجناح گواہ ہے، یہ تعزیے گواہ ہیں کہ ہم کسی بے کس کی یاد منا رہے ہیں۔ بڑے صبر سے جاؤ، بڑے سکون سے جاؤ، بڑے ضبط سے جاؤ کسی طرف دیکھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اس لئے کہ

تمھاری حفاظت کا بندوبست ہے، جلوس کے پیچھے ایک بی بی دعا کرتی ہوئی چل رہی ہے کہ خدا میرے بچّے کے ماتم داروں کو محفوظ رکھے۔ ایک مرتبہ میرا مولا اکیلا ہوا اور آواز دی حبیبؑ مسلم ابنِ عوسجہ، زہیر، اکبر، عباس، اے میرے شیرو، اے میرے بہادرو، بات کیا ہے کہ حسینؑ کی پکار کا جواب نہیں دیتے۔ تاریخ کہتی ہے کہ جیسے ہی حسین کا یہ جملہ بلند ہوا، فرات کے کنارے عبّاسؑ کے لاشے میں حرکت پیدا ہو گئی۔ ایک مرتبہ میرا اکیلا مولا، میرا دِل شکستہ مولا، میرا تنہا مولا، میدان میں آیا اور آنے کے بعد اس نے بلند آواز میں تین جملے کہے، ہے کوئی میرے استغاثے پر لبیک کہنے والا۔ ہے کوئی ہماری مدد کرنے والا۔ ہے کوئی جو حرم رسولؐ کی حفاظت کرے۔ "ھل من ناصرٍ ینصرنا" ہے کوئی ہماری مدد کرنے والا۔ یہ جملہ ایک مرتبہ حسینؑ کے باپ نے صفین کے میدان میں کہا تھا۔ صفّین کے میدان میں علی آئے اور آنے کے بعد ایک مرتبہ تلوار بلند کی اور کہا "ھل من ناصرٍ ینصرنا" ہے کوئی ہماری مدد کو آنے والا۔ بس اس آواز کا پھیلنا تھا کہ خیموں سے سپاہی نکلنا شروع ہوئے اور سارے سپاہیوں نے اپنی تلواریں اپنی گردنوں پر رکھ لیں اور کہنے لگے مولا یہ مظلوں کا جملہ ہے۔ اب اگر آپ کی زبان سے یہ جملہ نکلا تو ہم اپنے گلے کو اپنی تلواروں سے کاٹ لیں گے۔" وہ علیؑ کا مقدّر تھا، یہ حسینؑ ابنِ علیؑ کا مقدّر ہے۔"

کربلا میں حسینؑ نے پکارا "ھل من ناصرٍ ینصرنا" ہے کوئی ہماری مدد کرنے والا، تو جیسے ہی حسینؑ نے آواز دی، دو خیموں سے رونے کی آوازیں بلند ہوئیں۔ حسینؑ نے مُڑ کے دیکھا کہ خیمہ کا پردہ اٹھا، بیمار امام سیّد سجّادؑ ایک ٹوٹا نیزہ لئے لڑکھڑاتا ہوا مقتل کی طرف چلا، اُمّ کلثوم سے حسینؑ نے کہا، ارے ام کلثوم سجّادؑ کو پکڑو۔ آئیں شانہ تھاما تو رو کے کہنے لگے پھوپھی امّاں! آپ نے نہیں سُنا، بابا نے کس مظلومیت سے پکارا ہے۔ بابا نے کس مظلومیت سے پکارا ہے، حسینؑ دوڑتے ہوئے آئے سجاد کو گوڈ میں لیا اور ان کے بستر پر لِٹا دیا۔ یہ ایک خیمہ جس سے رونے کی آواز بلند ہوئی۔ اب دوسرا خیمہ بتاؤں۔ اُمّ رباب کا خیمہ، علی اصغر کی ماں کا خیمہ، جب رونے کی آواز بلند ہوئی تو حسینؑ خیمہ کے قریب آئے۔ شہزادی زینبؑ موجود تھیں، کہا، بہن کیا بات ہے، کہا بھیّا کیا بتاؤں جیسے ہی

آپ نے کہا" هَل مِن نَاصِرٍ يَنصُرنَا " ویسے ہی بچّہ نے اپنے آپ کو جھولے سے گرادیا۔ کہا لاؤ بہن اصغر کو میرے پاس لاؤ۔ کہا بھیا وہ کسی کی گود میں نہیں جارہا ہے، کہا اچھا میں آتا ہوں۔ خیمے میں آئے۔ ایک مرتبہ بچے پر نگاہ پڑی حسینؑ نے کچھ کہا اس بچّے سے۔ ہُمک کے گود میں آگیا۔ حسینؑ لے کے چلے اور یہ کہتے ہوئے چلے کہ اُمّ رباب فکر نہ کرو میں جارہا ہوں پانی کی تلاش میں۔ شائد میں اس بچّے کو پانی پلا کے لے آؤں۔ سکینہ قریب کھڑی ہوئی سُن رہی تھی کہ اصغر جارہا ہے پانی پینے کے لئے۔ سکینہ انتظار میں کھڑی رہی۔ حسینؑ میدان میں آئے۔ بچّے کو دکھایا اور کہا' اے قوم جفا کار! اس کی ماں کا دودھ تین دن سے خشک ہوگیا ہے۔ اگر عرب ہو تو مہمان سمجھ کے پانی پلا دو۔ اگر مسلمان ہو تو رسولؐ کا نواسہ سمجھ کے پانی پلا دو۔ اگر انسان ہو تو انسانیت کے حوالے سے پانی پلا دو۔ فوجِ یزید سے کوئی جواب نہ آیا۔ ایک مرتبہ حسینؑ نے کہا کہ اے فوجِ جفا کار' اگر تو یہ سمجھتی ہے کہ میں اس بچّے کے بہانے سے پانی پی لوں گا تو لے میں الگ ہوتا ہوں، جلتی ریتی پر بچّے کو لٹا دیا، کچھ دور کھڑے رہے، جب کوئی نہ آیا تو پھر آئے بچّے کو گود میں لیا، ہاتھوں پہ بلند کیا، کہا بیٹے اصغر، فوج کو تیری پیاس کا یقین نہیں ہے اَب تو ہی حجّت تمام کرلے۔ اک مرتبہ بچّے نے اپنی ننھی زبان باہر کی، اُدھر سے تیر آیا، بچّہ امام کے ہاتھوں میں شہید ہوگیا۔ اب حسینؑ لے کے چلے، پہنچے رباب کے خیمے تک۔ ایک مرتبہ سکینہ سامنے آئی، بابا مجھے یقین نہیں تھا کہ آپ اصغر کو زیادہ چاہتے ہیں مجھے کم چاہتے ہیں۔ کہا بیٹی تو نے کیسے سمجھ لیا، کہا، بابا اصغر کو پانی پلا لائے میں پیاسی رہ گئی۔ بس یہ سُننا تھا کہ عبا کا دامن اُلٹ دیا، بیٹی تیرا بھائی تیرِ ظلم سے سیراب ہوگیا۔

—— تمام شد ——